تدبر

زیر نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

ہے۔ اس طرح یہ مختصر خطبات نہایت پر حکمت اور اثر انگیز ہو گئے ہیں۔

صفحہ ۱۴ پر ابو سفیان کی جس گواہی کا ذکر ہے وہ حبشہ میں نہیں بلکہ شاہ روم ہرقل کے سامنے دی گئی تھی تھی۔ اسی طرح صفحہ ۱۸ پر حضرت نوح کا زمانہ تبلیغ ۲۲ سال بتایا گیا ہے حالانکہ وہ لگ بھگ ایک ہزار برس پر محیط ہے۔

کتاب کے صفحات ۱۹۲ اور قیمت ۷۰ روپے ہے۔

اسلام اور سیرت النبی

مصنف : ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

ملنے کا پتہ : مقبول اکیڈمی شاہراہ قائد اعظم لاہور

یہ کتاب فاضل مصنف کے نو مقالات کا مجموعہ ہے جن میں صرف چار مختصر مقالات سیرت کے موضوع سے متعلق ہیں جبکہ باقی مقالات میں اسلام میں بیورو کریسی' اسلام میں احتساب' مطالعہ کائنات کی اہمیت' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی فضیلت اور ہندو مت جیسے متفرق عنوانات زیر بحث آئے ہیں۔ اس لحاظ سے کتاب کا نام اس کے مندرجات سے پوری طرح مطابقت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر صاحب پاکستان سول سروس کے آدمی اور اسلامی قانون پر چند کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب ان کی دین پسندی کی آئینہ دار ہے۔ اس کے صفحات ۲۴۴ اور قیمت ایک سو روپے ہے۔

مطبوعاتِ جدید

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

○ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۵۶/= روپے

موضوعات: خدا کی ذات وصفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیروشر۔ جبرواختیار۔ آخرت اور جزا و سزا۔ نظام نبوت۔

○ مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اوّل ۷۶/= روپے

موضوعات:

اسوۂ حسنہ۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات۔

○ اسلامی قانون کی تدوین ۳۶/= روپے

○ مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۱۷۶/= روپے

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲۔ فیروزپور روڈ۔ اچھرہ۔ لاہور ۵۴۶۰۰

فون: ۴۸۳۴۷۷

تدبّر

سلسلہ نمبر ۳۹	مئی ۱۹۹۲ء	ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ

فہرست مضامین

تذکرہ وتبصرہ

ہماری قومی شناخت ____ خالد مسعود ۳

تدبر قرآن

تفسیر سورۂ توبہ (۳) ____ خالد مسعود ۶

تدبر حدیث

ایمان کے تقاضے ____ امین احسن اصلاحی/سعید احمد ۱۴

تجارت کی جائز و ناجائز صورتیں ____ امین احسن اصلاحی/سعید احمد ۲۱

اسالیب قرآن

حذف ____ خالد مسعود ۲۹

مقالات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی کارروائیاں ____ خالد مسعود ۳۴

ذکر وفکر

واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر، ۴۵

دانائے سبل، اسلام اور سیرت النبی ____ خالد مسعود

مجلسِ ترتیب

○ ــــــــ خالد مسعود (مدیر)

○ ــــــــ عبداللہ غلام احمد

○ ــــــــ ماجد خاور

○ ــــــــ محبوب سبحانی

○ ــــــــ سعید احمد

ناشر ــــــــ ادارہ تدبر قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

مطبع ــــــــ المطبعۃ العربیۃ لاہور

قیمت -/۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

* تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

ہماری قومی شناخت

۴ مئی کو قومی شناختی کارڈ جاری کرنے والے محکمہ کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے صدر مملکت جناب غلام اسحاق خان نے بعض بے حد اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے فرمایا کہ "افراد قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں، ہمیں اپنے سرمایہ کی پہچان ضرور ہونی چاہئے مگر انفرادی شناخت کے ساتھ ساتھ اس سے کہیں عظیم، کہیں مقدس ایک اور شناخت بھی ہے جو ہماری عدم توجہی کے باعث مسخ ہو رہی ہے۔" اس مقدس شناخت کی وضاحت انہوں نے ان الفاظ میں فرمائی کہ "۴۵ سال گزر چکے ہیں۔ ہم اٹھتے بیٹھتے پاکستان کے اسلام کا قلعہ ہونے کا راگ الاپتے ہیں لیکن ابھی تک اپنے اجتماعی وجود کو اس طرح اسلام کے قالب میں نہیں ڈھال پائے کہ واقعۃً "ہماری قومی شناخت بن جائے۔ ہم کبھی جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے اپنی شناخت کراتے ہیں کبھی ترقی پذیری کے حوالے سے، کبھی سیاسی نظام ہمارا حوالہ قرار پاتا ہے کبھی طرز معیشت۔ یہ حوالے یقیناً اہم ہیں مگر ان کی حیثیت بہرحال ظاہری لبادوں کی ہے جن سے قوم کی اصلی شخصیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ ہماری قومی شخصیت کا خمیر اسلام سے اٹھا ہے اور جب تک ہم پورے معاشرہ کے ظاہر و باطن کو اس خمیر کے دلکش رنگ میں نہیں رنگ لیتے انفرادی شناختی کارڈوں کے باوجود ہماری قومی شناخت امتیازی شان اور انفرادیت کو ترستی رہے گی۔"

شناختی کارڈ کے ذکر کے بعد قومی شناخت کا تذکرہ گریز کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اپنے خطاب میں جناب صدر نے نہایت حکیمانہ انداز میں جس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے وہ ہمارے قومی المیہ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ اس کا تصور پیش کرنے والوں نے نظریاتی طور پر اس ملک کو اسلام کی ایک تجربہ گاہ کے روپ میں دیکھا تھا۔ قائداعظم نے اپنی تقاریر میں بھی اس حقیقت کو اوجھل نہیں ہونے دیا چنانچہ یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا "مغربی دنیا اپنی خودکارانہ سہولتوں اور صنعتی استعداد کے تفوق کے باوجود اپنی تاریخ کے بدترین الجھاؤ کا شکار

ہے۔ لہٰذا ہم ایک خوشحال اور مطمئن قوم کی تعمیر کے مقصد کو مغرب کے معاشی اصول و طریق اپنا کر حاصل نہیں کر سکتے۔ ہمیں اپنی تقدیر اپنے طریقہ سے بنانی ہوگی اور دنیا کے سامنے ایک نیا معاشی نظام لانا ہوگا جو انسانی مساوات اور سماجی انصاف پر مبنی اسلامی نظریات پر قائم ہو۔ اگر ہم ایسا کر سکیں تو بطور مسلمان اپنے مقصد زندگی کو پورا کر رہے ہوں گے۔"

کتنی حیرت کی بات ہے کہ قیام پاکستان کے ان مقاصد کو پس پشت ڈال کر قوم کو ان سے بیگانہ کر دیا گیا۔ صدر مملکت شروع سے ایوان اقتدار سے وابستہ رہے ہیں۔ ان سے زیادہ اس حقیقت سے کون واقف ہو سکتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد ملک کو ہر چیز کی تجربہ گاہ بنایا گیا ہے۔ اگر نہیں بنایا گیا تو اسلام کی تجربہ گاہ نہیں بنایا گیا۔ سیاست میں جمہوریت و آمریت کی کئی اقسام کو آزمایا گیا۔ معیشت میں پہلے سرمایہ داری کو اختیار کیا گیا' پھر سوشلزم کو معاشی بنیاد مانا گیا اور اب نج کاری کو فروغ مل رہا ہے۔ تعلیم میں کبھی امریکی انداز اپنایا گیا کبھی برطانوی اور اس وقت جو نظام رائج ہے وہ کچھ ملغوبہ سا ہے۔ صدر ضیاء الحق کی اسلامائزیشن پالیسی نے بڑا شہرہ پایا لیکن یہ بھی ملک کو دورنگی بلکہ سہ رنگی سے دوچار کر گئی۔ اسلامی نظام کے نفاذ کا خواب ادھورا ہی رہا۔ پاکستان کا ایک عام شہری اس بات پر حیران ہے کہ ملک کو نہایت غیر فطری غیر منصفانہ تجربوں کی آماجگاہ بنانے سے تو گریز نہیں کیا گیا۔ آخر اسلام نے وہ کونسا قصور کیا ہے کہ اس کا تجربہ بھی کسی کو گوارا نہیں۔ آخر وہ کونسی نادیدہ قوتیں ہیں جو ملک میں انتشار' افراتفری اور بے امنی تو برداشت کرتی ہیں لیکن ملک کو اس کی اصل بنیاد کی طرف لوٹنے کی راہ میں مزاحم ہیں۔ جناب صدر کو ان قوتوں کا کھوج لگانا چاہئے۔

ملک کو اس کی اصل بنیاد سے ہٹانے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب ہمارا معاشرہ دین سے بیگانہ اور اسلامی اخلاق و اوصاف سے نا آشنا ہو رہا ہے۔ رائج الوقت جمہوریت کے نظام میں زمام اقتدار جن لوگوں کے ہاتھوں میں آتی ہے وہ بالعموم مزاجاً" سیکولر ہوتے ہیں۔ انہیں نہ قومی و ملی مقاصد کا شعور ہوتا ہے نہ کسی بڑے مقصد کے لئے جیتے ہیں۔ وہ قانون' اصول یا ضابطہ کی پابندی کو اپنے لئے کسر شان سمجھتے ہیں۔ سیاسی بیانوں میں ان کو خطرناک مافیا کا نام دیا گیا ہے اور فی الواقع اس میں صداقت پائی جاتی ہے۔ ہماری حکومت ہے تو وہ بنیاد پرستی کے الزام سے خائف ہے۔ اس کے کارندے برملا یہ کہتے ہیں کہ معیشت میں اسلامی اساس کو اختیار کرنے سے ملک تباہ ہو جائے گا۔ اس صورتحال میں اگر قوم اپنی قومی شناخت سے عاری ہوتی جا رہی ہے تو اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں اور نہ اس پر نوحہ کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔

جناب صدر حکومت کے نگران ہیں۔ وہ اپنی اہم حیثیت کے باعث اس پوزیشن میں ہیں کہ اس قوم کے دکھوں کا کچھ مداوا کر سکیں۔ اس قوم کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ فوری طور پر اس کے تعلیمی نظام کی اصلاح کی جائے۔ اس وقت پرائمری لیول پر بھی نصاب میں سے دینی و اخلاقی مضامین کو چن چن کر نکال دیا گیا

ہے۔ ضرورت ہے کہ نصاب کو پھر سے دینی و اخلاقی بنیاد فراہم کی جائے تاکہ ہمارے بچوں کو اچھے اخلاق و کردار کے معنی تو معلوم ہوں۔ اسی طرح معیشت میں دینی تقاضے نہ سہی 'قائداعظم سے عقیدت کے تحت ہی اسلامی نظام سے استفادہ کیا جائے۔ اگر جناب صدر اپنی حکومت سے کم از کم اتنا ہی کروا دیں تو قوم بہت جلد اپنی اصلی شناخت کی متاع گم گشتہ کو پا لے گی ورنہ 'جیسا کہ صدر صاحب نے فرمایا ہے 'ہم اٹھتے بیٹھتے اسلام سے وابستگی کا راگ الاپتے رہیں گے لیکن اس کا کوئی دلکش رنگ ہماری اجتماعیت میں نمایاں نہ ہو سکے گا۔

بقیہ : تفسیر سورۂ توبہ (۳)

تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آ چکا ہے جس پر تمہارا ہلاکت میں پڑنا بہت شاق ہے' وہ تمہارے ایمان کا حریص اور اہل ایمان کے لیے سراپا شفقت و رحمت ۷۶ے ہے O پس اگر وہ روگردانی کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے ۱۲۹O

۷۶ے یہ اس عظیم احسان کی طرف توجہ دلائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعہ سے تمام خلق پر عموماً" اور اہل عرب پر خصوصاً" فرمایا۔ حضورؐ تمام لوگوں کو دنیا اور آخرت کی تمام کلفتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ اور دونوں کی سعادتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے تھے۔ شامت زدہ لوگ ہی آپ کے وجود کو اپنے لیے مصیبت سمجھ سکتے ہیں۔

تدبر قرآن
خالد مسعود

تفسیر سورۂ توبہ (۳)

جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اللہ کے رسول سے پیچھے بیٹھ رہنے پر بہت مگن ہوئے اور انہوں نے برا جانا کہ وہ اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انہوں نے کہا کہ اس گرمی میں نہ نکلو' کہہ دو دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے ۴۹ ۔ کاش وہ سمجھتے ہوتے ○ پس وہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ اپنے کیے کی پاداش میں ○ پس اگر اللہ تم کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف پلٹائے اور وہ تم سے جہاد کے لیے نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجیو کہ تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکل سکتے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہیں لڑ سکتے۔ تم پہلے بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھو ○ ۸۳

اور نہ تم ان میں سے کسی پر جو مرے کبھی جنازے کی نماز پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا ۵۰ ۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ بد عہدی کے حال میں مرے ○ اور تم ان کے مال اور اولاد کو کچھ وقعت نہ دو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے سبب سے ان کو دنیا میں

---

۴۹ ۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جو منافقین بہانے بنا کر گھروں میں بیٹھ رہے اور اپنی فریب کاری پر بہت خوش تھے' یہ آیات ان کے باب میں نازل ہوئیں۔ ان کا گمان یہ تھا کہ رومیوں کی منظم فوج سے مقابلہ میں مسلمانوں کو گھر پلٹنا نصیب نہ ہو گا۔ اس لئے وہ خود بھی جہاد کے لئے نہ نکلے اور دوسروں کو بھی ڈراوے سنا سنا کر سفر سے روکنے کی کوشش کی۔

۵۰ ۔ یہ منافقین کو جماعت سے کاٹ پھینکنے کی آخری صورت اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ گویا ان کی موت ایمان پر نہیں بلکہ کفر پر ہوئی لہٰذا یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا زاد راہ لے کر اپنے آخری سفر پر روانہ نہ ہو سکیں۔

عذاب دے اور ان کی جانیں کفر کے حال میں نکلیں ○ اور جب کوئی سورہ اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان کا حق ادا کرو اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کے لیے نکلو تو ان میں کے جو مقدرت والے ہیں وہ بھی تمہارے پاس رخصت مانگنے آ کھڑے ہوتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے ہم بیٹھنے والوں ہی کے ساتھ رہیں گے ○ انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ساتھی بنیں۔ اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے ۵۱ ۔ تو اب وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں ○ البتہ رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہوں نے اپنے مال و جان سے جہاد کیا اور یہی ہیں جن کے لیے رحمتیں اور برکتیں ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ○ ان کے لیے اللہ نے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں' اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ بڑی کامیابی یہی ہے ○ ۸۹

اور دیہاتیوں میں سے بھی بہانہ باز لوگ آئے کہ انہیں رخصت دی جائے اور جو اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولے وہ بیٹھ رہے ۵۲ ۔ ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا ○ ۹۰

کمزوروں' بیماروں اور ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جنہیں خرچ کرنے کی مقدرت نہیں جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں۔ خوب کاروں پر کوئی الزام نہیں ہے ۵۳ ۔ اور اللہ غفور رحیم ہے ○ اور نہ ان لوگوں پر کوئی الزام ہے جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں کہ ان کے لیے کسی سواری کا انتظام کر دو' تم کہتے ہو میرے پاس تمہاری سواری کا کوئی بندوبست نہیں تو وہ اس حال میں واپس ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے غم میں آنسو رواں ہوتے ہیں

---

۵۱ ۔ یعنی انہوں نے مرد ہو کر غازیوں کی ہم سفری اور ہم رکابی کی بجائے عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھنا پسند کیا۔ ان کی اس ایمانی اور اخلاقی موت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا۔

۵۲ ۔ یہاں مراد اطراف مدینہ اور صحرائی علاقوں کے بادیہ نشین ہیں جن کی اکثریت نے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے مرعوب ہو کر اس کی سیاسی سیادت تسلیم کر لی تھی لیکن اسلام ان کے اندر ابھی رچا بسا نہ تھا اس لیے جہاد کی ذمہ داریوں سے گھبراتے تھے۔

۵۳ ۔ یہ ان حقیقی معذورین کی تفصیل ہے جن کی معذرت قابل قبول ہے۔ ان کے لیے مانع تو بیماری' غربت اور ناداری تھا لیکن ان کی صداقت کا شاہد ان کا وہ جذبہ تھا جو شرکت جہاد سے محرومی کے باعث ظاہر ہوا۔ حقیقی معذورین میں سے بھی گناہ سے بری وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے دین اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔

کہ افسوس کہ وہ خرچ کرنے کی مقدرت نہیں رکھتے O۹۲ الزام تو بس ان پر ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ یہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ پس وہ علم سے محروم ہو گئے O۹۳

جب تم لوگ ان کی طرف پلٹو گے تو یہ تمہارے سامنے باتیں بنائیں گے۔ کہہ دیجیو کہ باتیں نہ بناؤ۔ ہم تمہاری باتیں باور کرنے والے نہیں ۵۴ ۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات سے اچھی طرح باخبر کر دیا ہے۔ اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے' پھر تم غائب و حاضر کے جاننے والے کے آگے پیش کیے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہاری ساری کرتوت سے آگاہ کرے گا O یہ لوگ تمہاری واپسی پر تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے چشم پوشی برتو۔ سو تم ان سے اعراض برتو۔ یہ یکسر ناپاک ہیں اور ان کی کرتوت کی پاداش میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے O یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ ان بد عہد لوگوں سے راضی ہونے والا نہیں ۵۵ ۔ O یہ دیہاتی کفر و نفاق میں زیادہ پختہ اور زیادہ لائق ہیں اس بات کے کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ اتارا ہے اس کے حدود سے بے خبر رہیں ۵۶ ۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے O۹۷

اور ان دیہاتیوں میں سے وہ بھی ہیں جو راہ خدا میں اپنے خرچ کو ایک تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے لیے گردشوں کے منتظر ہیں ۵۷ ۔ بری گردش انہی پر ہے اور اللہ سمیع و علیم ہے O اور ان میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اور رسول

---

۵۴ ۔ یعنی جب تم سفر تبوک سے پلٹو گے تو یہ منافقین اپنے رویہ کے بارے میں تم کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے گھڑے ہوئے عذرات کی داستان سنائیں گے۔

۵۵ ۔ یہ عذر تراشوں اور بہانہ بازوں کو دھمکی ہے کہ اگر تم پیغمبرؐ اور مومنین کو اپنے خانہ ساز عذرات سے دھوکا دینے میں کامیاب بھی ہو جاؤ جب بھی یہ چیز تمہارے لیے کچھ سود مند نہیں۔ خدائے علام الغیوب کو تم بہرحال ان بہانہ سازیوں سے فریب نہیں دے سکتے۔

۵۶ ۔ یعنی ان دیہاتیوں نے علم دین سیکھنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھانے میں کوتاہی کی اس لیے جہل و نفاق ان کے اندر پروان چڑھتا رہا۔

۵۷ ۔ یعنی ان کی ہر وقت تمنا یہ ہے کہ تم پر کوئی گردش آئے تاکہ کسی طرح تم سے ان کی جان چھوٹے۔

کی دعاؤں کو حصول قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سو بے شک یہ ان کے لیے واسطہ قربت ہی ہے ۵۸ ۔ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے O۹۹

اور مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور پھر جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی ہے ۵۹ ۔ 'اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ اور اس نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی' ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور بڑی کامیابی یہی ہے O۱۰۰

اور تمہارے اردگرد جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں اور مدینہ والوں میں بھی منافق ہیں۔ یہ اپنے نفاق میں منجھ گئے ہیں۔ تم ان کو نہیں جانتے' ہم ان کو جانتے ہیں۔ ہم انہیں دو بار سزا دیں گے۔ ۶۰ ۔ پھر وہ ایک عذاب عظیم کی طرف دھکیلے جائیں گے O۱۰۱

اور کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ انہوں نے کچھ نیکیاں اور کچھ بدیاں ساتھ ہی دونوں کمائی ہیں۔ امید ہے کہ اللہ ان پر رحمت کی نظر کرے۔ ۶۱ ۔ اللہ غفور رحیم ہے O تم ان کے مالوں کا صدقہ قبول کر لو اس سے تم ان کو پاکیزہ بناؤ گے اور ان کا تزکیہ کرو گے اور ان کے لیے دعا کرو۔ ۶۲ ۔ بے شک تمہاری دعا ان کے لیے سرمایہ تسکین ہے اور اللہ

---

۵۸ ۔ یہ ان دیہاتیوں کی حوصلہ افزائی ہے جو اپنے انفاق اور رسول اللہ کی دعاؤں کو تقرب الٰہی کا ذریعہ بناتے ہیں۔

۵۹ ۔ یہ بتایا کہ اسلامی معاشرہ کا اصل سرمایہ کون لوگ ہیں جن کے عمل کی عام مسلمانوں کو تقلید کرنی ہے۔

۶۰ ۔ ایک سزا وہ جو ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں ملنے والی ہے اور دوسری وہ جس سے عالم برزخ میں دوچار ہوں گے۔

۶۱ ۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان تنبیہات سے متاثر ہو کر توبہ اور اپنے رویہ میں اصلاح کر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مزید تربیت اور ان کے لیے دعا کی ہدایت فرمائی ہے۔ جو چیز ان کے حق میں سفارش بنی وہ یہ تھی کہ یہ لوگ نفاق ہی پر نہیں چلے اور بڑھے بلکہ بدیوں کے ساتھ نیکیاں بھی کمائیں۔ ان کا اعتراف گناہ اللہ تعالیٰ کو پسند آیا۔

۶۲ ۔ نفاق کی بیماری محبت دنیا سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اس کا سب سے موثر علاج اللہ کی راہ میں انفاق ہے۔

سننے والا جاننے والا ہے O کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور صدقات کی پذیرائی فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے O ان سے کہہ دو، عمل کرو، اب اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان تمہارے عمل کو دیکھیں گے اور تم عنقریب غائب و حاضر کے جاننے والے کے حضور پیش کیے جاؤ گے۔ وہ تمہارے سارے کیے دھرے سے تم کو آگاہ کرے گا O ۱۰۵

اور کچھ دوسرے بھی ہیں جن کا معاملہ اللہ کے فیصلہ تک ملتوی کیا جاتا ہے۔ یا تو ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ ۶۳ ۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے O ۱۰۶

اور جنہوں نے ایک مسجد بنائی اسلام کو نقصان پہنچانے، کفر کو تقویت دینے، اہل ایمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ان لوگوں کے واسطے ایک اڈا فراہم کرنے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں ۶۴ ۔ اور یہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے یہ کام صرف بھلائی کی غرض سے کیا ہے اور اللہ شاہد ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں O تم اس میں کبھی کھڑے نہ ہوجیو۔ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے تقویٰ پر پڑی ہے وہ حق دار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو ۶۵ ۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو عزیز رکھتے ہیں اور اللہ پاکیزگی کو عزیز رکھنے والوں ہی کو عزیز رکھتا ہے O کیا وہ بہتر ہے جس نے اپنی تعمیر کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور اس کی خوشنودی پر رکھی یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک

---

۶۳ ۔ یہ تین آدمی تھے۔ کعب، ہلال اور مرارہ۔ یہ نفاق میں متہم نہیں تھے لیکن غزوہ تبوک میں حصہ نہ لے سکے اور اسلام کے لیے اپنی قربانیوں کے باعث ان کو اپنی غلطی کا زیادہ شدت سے احساس بھی نہ ہوا۔ ان کی توبہ کی قبولیت اس وقت تک ملتوی رکھی گئی جب تک ان کے اندر بے قراری اور خستگی و شکستگی نہ پیدا ہو جائے جو توبہ کی قبولیت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں سفارش بنتی ہے۔

۶۴ ۔ منافقین کے ایک شریر گروہ نے اپنے مفسدانہ اغراض کے لیے مدینہ میں ایک مسجد تعمیر کی۔ وہ چاہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نماز ادا کر دیں تو اس کو لوگوں کی نگاہوں میں وہی احترام حاصل ہو جائے جو مسجد قبا کو حاصل ہے۔ یہاں اس تعمیر کے فاسد اغراض سے پردہ اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ حضورؐ نے تبوک سے واپسی پر اس مسجد ضرار کو گروا دیا۔

۶۵ ۔ مراد مسجد قبا ہے۔

کھوکھلی گرتی ہوئی گر پر اٹھائی پس وہ اس کے سمیت دوزخ میں بیٹھ گئی ۶۶ ۔ ؟ اور اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا O اور یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ان کے دلوں میں شک کی بنیاد بن کر جمی رہے گی الا آنکہ ان کے دل ہی پاش پاش ہو جائیں اور اللہ علیم و حکیم ہے O ۱۱۰

بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال ان کے لیے جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ ۶۷ ۔ یہ اللہ کے ذمہ ایک سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ سو تم اس سودے پر جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے خوشی مناؤ۔ اور یہی دراصل بڑی کامیابی ہے O توبہ کرتے رہنے والے، عبادت گزار، شکر گزار، ریاض کرنے والے، رکوع سجدہ کرتے رہنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی نگہداشت رکھنے والے اصلی مومن ہیں ۶۸ ۔ اور مومنوں کو خوش خبری سنا دو O ۱۱۲

نبی اور مومنین کے لیے روا نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت مانگیں اگرچہ وہ قرابت داری کیوں نہ ہوں جب کہ یہ ظاہر ہو چکا کہ یہ جہنم میں جانے والے لوگ ہیں ۶۹ ۔ O اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے مغفرت مانگنا صرف اس وعدے کے سبب تھا جو اس نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب اس پر

---

۶۶ ۔ یہ تمثیل ان لوگوں کی ہے جو اپنے عمل کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی کے بجائے کسی غرض فاسد پر رکھتے ہیں۔ اخروی فوز و فلاح اسی عمل سے حاصل ہوتی ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لیے اللہ کے احکام کے مطابق کیا جائے۔

۶۷ ۔ یہ اس بیعت ایمان و اسلام کی حقیقت بیان فرمائی ہے جو نبی کے ہاتھ پر کی جاتی ہے اور جس میں ہر مسلمان شامل ہوتا ہے۔ یہ بیعت اللہ اور اہل ایمان کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس میں اہل ایمان اپنے مال اور اپنی جان اللہ کے حوالے کرنے کا اقرار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں ان کے لیے جنت کا وعدہ فرماتا ہے۔

۶۸ ۔ یہ حقیقی مومنین کا کردار بیان ہوا ہے۔ ریاض میں وہ تمام سرگرمیاں اور مشقتیں شامل ہیں جن کو آدمی اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح، دین کو پھیلانے اور بڑھانے کے لیے والہانہ اختیار کرتا ہے۔

۶۹ ۔ نبی اور اہل ایمان کی دعائیں ان کی قوم کے لیے امان کا کام دیتی ہیں۔ اب چونکہ قوم پر اتمام حجت ہو چکا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو استغفار سے روک کر مشرکین کو اس آخری امان سے بھی محروم کر دیا گیا۔

واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے اس سے اعلان برات کر دیا۔ بے شک ابراہیم بڑا ہی رقیق القلب اور بردبار تھا O اور اللہ کسی قوم کو' اس کو ہدایت دینے کے بعد' گمراہ نہیں کرتا جب تک وہ وضاحت کے ساتھ ان کو وہ چیزیں بتا نہ دے جن سے ان کو بچنا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے O اللہ ہی ہے جس کی آسمانوں اور زمین پر بادشاہی ہے۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار O۱۱۶

اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر رحمت کی نظر کی جنہوں نے نبی کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا' بعد اس کے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ پھر اللہ نے ان پر رحمت کی نگاہ کی۔ بے شک وہ ان پر نہایت مہربان اور رحیم ہے O اور ان تینوں پر بھی رحمت کی نگاہ کی جن کا معاملہ اٹھا رکھا گیا تھا۔ ۷۰ ۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں ضیق میں پڑ گئیں اور انہوں نے اندازہ کر لیا کہ خدا سے خدا کے سوا کہیں مفر نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر عنایت کی نظر کی کہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے O۱۱۸

اے ایمان والو' اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کی معیت اختیار کرو۔ ۷۱ ۔ اہل مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے اعراب کے لیے روا نہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو اس کی جان سے عزیز رکھیں۔ یہ اس لیے کہ جو پیاس' تکان اور بھوک بھی خدا کی راہ میں ان کو لاحق ہوتی ہے' اور جو قدم بھی وہ کفار کو رنج پہنچانے والا اٹھاتے ہیں اور جو چرکا بھی وہ کسی دشمن کو لگاتے ہیں' ان سب کے بدلے میں ان کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اللہ خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا O اور جو کوئی چھوٹا یا بڑا انفاق وہ کرتے ہیں اور جو وادی بھی وہ قطع کرتے ہیں' سب ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے عمل کا اچھے سے اچھا بدلہ دے O یہ تو

---

۷۰ ۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مخلص مہاجرین و انصار کے لیے عام قبولیت توبہ کی بشارت ہے۔ جن تین صحابہ کی توبہ کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا' ان کے رجوع کامل کے بعد ان کو بھی قبولیت توبہ کی خوشخبری سنائی ہے۔

۷۱ ۔ یہ مسلمانوں کو کفر و نفاق کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کے لیے ہدایات ہیں۔ صحبت و معیت کو آدمی کے بناؤ اور بگاڑ میں بڑا دخل ہے اس لیے راسخ الایمان لوگوں کی رفاقت اختیار کرنے کا حکم دیا۔

نہ تھا کہ سب ہی مسلمان اٹھتے تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ کچھ لوگ نکلتے تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو بھی آگاہ کرتے جب کہ وہ ان کی طرف لوٹتے کہ وہ بھی احتیاط کرنے والے ۷۲ ۔ بنتے O۱۲۲

اے ایمان والو' تمہارے گرد و پیش جو کفار ہیں ان سے لڑو اور چاہیے کہ وہ تمہارے رویہ میں سختی محسوس کریں ۷۳ ۔ اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے O اور جب کوئی سورہ اترتی ہے تو ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو پوچھتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا؟ سو جو سچ مچ ایمان لائے ہیں وہ ان کے لیے ایمان میں اضافہ کرتی ہے اور وہ اس سے بشارت حاصل کرتے ہیں O رہے وہ جن کے دلوں میں روگ ہے تو وہ ان کی نجاست پر ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیتی ہے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرتے ہیں O کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ۷۴ ۔ 'پھر بھی نہ تو توبہ کرتے نہ یاد دہانی ہی حاصل کرتے O اور جب کوئی سورہ اتاری جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے پھر کھسک جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے بوجہ اس کے کہ یہ سمجھ سے کام لینے والے لوگ نہیں ۷۵ ۔ ہیں O۱۲۷

---

۷۲ ۔ یہ دیہاتیوں کو پیغمبرؐ اور صحابہؓ کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی سبیل بتائی ہے کہ ان میں کچھ لوگ باری باری مدینہ آئیں' دین سیکھیں اور پھر اپنی قوم میں واپس جا کر ان کو آخرت کی زندگی کی تیاریوں کے لیے بیدار کریں۔

۷۳ ۔ یعنی گرد و پیش کے کفار جس طرح دعوت ایمان کے مستحق تھے' اتمام حجت کے بعد وہ تمہاری تلواروں کے بھی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ان کے لیے دوستی اور موالات کی اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔

۷۴ ۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام اس طرح رکھا ہے کہ ہر شخص وقتاً "فوقتاً" کسی ایسی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے جو اس کو توبہ اور اصلاح پر ابھارے۔ جو صاحب توفیق ہوتے ہیں وہ ان آزمائشوں سے سبق حاصل کرتے ہیں لیکن اہل نفاق محرومی اور پسپائی کی ذلت سہتے سہتے عزم و ایمان کی آخری رمق سے بھی خالی ہو جاتے ہیں۔ ان کو توبہ کی توفیق حاصل نہیں ہوتی۔

۷۵ ۔ یہ تصویر ہے منافقین کے مجلس نبوی سے کھسک جانے کی تاکہ اجتماعی معاملات کی ذمہ داریوں میں حصہ نہ لینا پڑے۔ ان کے دلوں کو پھیرنا ان پر لعنت کی تعبیر ہے۔ (بقیہ برصفحہ ۵)

تدبر حدیث
امین احسن اصلاحی

ایمان کے تقاضے

(صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی روایات)

باب ۲۳۔ ظلم دون ظلم۔
ظلم بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی۔

اس باب میں امام صاحبؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جیسے کفر چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی' اسی طرح ظلم بھی چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔ یہ باب بھی مرجئہ کی تردید میں ہے۔

۳۱ حدثنا ابوالولید قال حدثنا شعبۃ ح قال و حدثنی بشر قال حدثنا محمد عن شعبۃ عن سلیمان عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ لما نزلت " الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم" قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اینالم یظلم فانزل اللہ عزوجل ان الشرک لظلم عظیم ○

ترجمہ:۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا (۶:۸۲) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے پوچھا' ایسا کون ہو سکتا ہے جو ظلم سے بچ رہا' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "شرک بہت بڑا ظلم ہے" (۳۱:۱۳)

وضاحت۔ اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ کیا صحابہ ظلم کا مفہوم نہیں جانتے تھے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر دیا کہ کون ہے جو اپنے آپ کو ظلم سے بچالے۔ پھر رسول اللہؐ بھی ان کے سوال کا جواب نہ دے سکے اور وحی کے ذریعے مفہوم کو واضح کرنا ضروری ہوا۔ اصل میں یہ بات نہیں بلکہ صحابہ کرام حضورؐ کی زبان سے ظلم کی تعریف جاننا چاہتے تھے کیونکہ اس سے ان کے علم میں اضافہ ہوتا تھا۔

رہا یہ سوال کہ کیا سورہ لقمان کی آیت ۱۳ صحابہ کرام کے مذکورہ سوال کے جواب میں اتری تو آیت کا یہ

شان نزول دوسری تفسیری روایات کی طرح صحیح نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی صحابہؓ کے سوال کا جواب تشنہ ہی رہا۔

حقیقت میں ظلم کا لفظ تین معنوں میں قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ ایک یہ کہ شرک کر کے اپنی جان پر ظلم ڈھانا' دوسرے کسی کی حق تلفی کرنا یا اس پر زیادتی کرنا اور تیسرے خدا تعالیٰ کے حقوق ادا نہ کرنا۔ ہمارے ہاں یہ لفظ اگر صرف دوسروں کی حق تلفی یا ان پر زیادتی کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو یہ عجمی ذوق کے سبب سے ہے۔ ورنہ عربی میں یہ اپنے تینوں معنوں میں بلا تکلف مستعمل ہے اور صحابہ کرام اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔

باب ۲۴۔ **علامۃ المنافق** منافق کی علامتیں۔

۳۲ - حدثنا سلیمان ابوالربیع قال ثنا اسماعیل بن جعفر قال ثنا نافع بن مالک بن ابی عامر ابو سھیل عن ابیہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ٰایۃ المنافق ثلث' اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف واذا اوتمن خان۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی علامتیں تین ہیں۔ جب کوئی بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا' وعدہ کرے گا تو خلاف ورزی کرے گا۔ اس کے پاس امانت رکھی جائے گی تو خیانت کرے گا۔

وضاحت:۔ ایمان کے لئے عقیدے اور قول و فعل کی سچائی ضروری ہے۔ جو شخص ان سچائیوں سے خالی ہے وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔ عقیدے کا اظہار کرے گا تو وہ جھوٹ ہو گا' کہے گا کہ میں مومن ہوں لیکن حقیقت میں مومن نہیں ہو گا۔ نماز پڑھے گا تو محض ریاکاری کے لئے۔ اس کے کسی وعدہ پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ بڑی آسانی سے وعدہ خلافی کر دے گا۔ اسی طرح جب آپ اس کے پاس امانت رکھیں گے تو اس میں اس کو صادق اور امین نہ پائیں گے بلکہ وہ خیانت کرے گا۔ اصل میں نفاق صدق کی ضد ہے۔ اس لیے منافق کا کردار ہر اعتبار سے صدق کے تقاضوں کے برعکس ہوتا ہے۔

اگر بالفرض کسی دوسری روایت میں منافق کی تین سے زائد علامات آجائیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ زیر بحث روایت اور دوسری روایت میں تضاد ہے۔ بلکہ یہ ہو گا کہ اس قدر مشترک کے تحت مزید پہلو واضح ہو جائیں گے جو اوپر بیان کی گئی۔ اسی طرح اگر کوئی منافق سچ بول دے تو یہ ایک اتفاقی امر ہو گا جو اس کے کردار سے مطابقت نہیں رکھتا۔

۳۳ - حدثنا قبیصۃ بن عقبۃ قال حدثنا سفیان عن الاعمش عن عبداللہ بن

سرة عن مسروق عن عبداللہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اربع منکن فیہ کان منافقا" خالصا" ومن کان فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا۔ اذا اوتمن خان و اذا حدث کذب و اذا عاھد غدر و اذا خاصم فجر تابعہ شعبۃ عن الاعمش۔

ترجمہ:۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں جس کے اندر ہوں گی وہ پورا منافق ہے اور جس کے اندر ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ نہ دے۔ جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب عہد کرے تو بے وفائی کرے اور جب جھگڑے تو بے ہودہ گوئی کرے۔

وضاحت: اس روایت میں منافق کی علامتوں کی ترتیب بدل گئی ہے۔ ایسا روایت بالمعنی ہونے کے باعث ہے۔ راوی سب ایک ہی درجے کے نہیں ہوتے کہ وہ ترتیب کو ٹھیک طرح یاد رکھیں۔ ترتیب بدل دینے سے مفہوم میں فرق بھی پڑ سکتا ہے۔ میرے نزدیک پچھلی روایت کی ترتیب زیادہ قرین قیاس ہے۔

دوسری چیز اس روایت میں یہ ہے کہ اس میں ایک علامت کا اضافہ ہے۔ اس اضافے کو اسی اصول پر حل کریں گے جو میں نے پچھلی روایت کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی راوی نے از خود اضافہ کیا ہو۔ اس کا اسے حق حاصل نہیں۔ اس نے اپنی سمع کے مطابق روایت کی ہے۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ پچھلی روایت کے راوی نے چوتھی خصلت کو اہمیت نہ دی ہو اور حذف کر دیا ہو۔

چوتھی علامت میں "فجر" کے معنی ہیں اناپ شناپ بالکل جھوٹ تہمتیں جڑنا۔ مطلب یہ ہے کہ جھگڑے کی صورت میں منافق غصے میں آکر زبان پر قابو نہیں رکھتا۔ جو بات منہ میں آتی ہے بک دیتا ہے۔ اصل میں غصے میں آدمی کی صداقت کا سب سے زیادہ امتحان ہوتا ہے۔ اگر غصے میں وہ اپنی زبان پر قابو رکھ سکے اور جب سخت سے سخت بات کہنے کا موقع ہو تب بھی وہی بات کہے جو کہنے کی ہے اور جھوٹ تہمتیں نہ لگائے تو یہ اس کی صداقت کی دلیل ہے۔

منافق میں اور کافر میں صرف الفاظ کا فرق ہے' حقیقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ البتہ منافق اور کافر کے کردار کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے۔ کافر جری ہوتا ہے اور مخالفت علانیہ کرتا ہے۔ منافق بزدل ہوتا ہے۔ وہ مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ مومن نہیں ہوتا۔ وہ زبان سے سمع و طاعت کا اقرار کرتا ہے لیکن عمل سے حکم عدولی کرتا ہے۔

اس لحاظ سے منافق آدمی ایک کافر کے مقابلے میں اخلاقی اعتبار سے بہت گرا ہوا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں منافق کا لفظ بہت اہون ہے لیکن دین میں کردار کے لحاظ سے یہ بہت غلیظ ہے۔

باب ۲۵۔ قیام لیلۃ القدر من الایمان۔

لیلۃ القدر کا قیام ایمان میں سے ہے۔

۳۴۔ حدثنا ابو الیمان قال اخبر نا شعیب قال حدثنا ابوالزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقم لیلۃ القدر ایمانا و احتسابا" غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کرے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

وضاحت: اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک چھوٹے عمل کے بدلے میں بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ چیز ان اسباب میں سے ہے جن کی بنا پر کوئی روایت مشتبہ ہو جاتی ہے لیکن میرے نزدیک اس روایت کو مشتبہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس میں ایمان اور احتساب کی صراحت بھی موجود ہے۔ ان دو لفظوں کے اندر پوری کائنات بند ہے۔ ایمان کے یہ معنی ہیں کہ یہ قیام صرف اللہ اور اس کی رضا کے لئے ہو۔ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔ ریاکاری کا شائبہ نہ ہو بلکہ خالصا" مخلصا" اللہ کے لئے ہو۔ احتساب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اس رات میں پوری زندگی کا احتساب کریں کہ کس کس طریقہ سے گذاری ہے' کیا غلطیاں اور جرائم کئے ہیں' حقوق العباد اور حقوق اللہ میں سے کیا ادا ہوا اور کیا باقی ہے۔ ماضی میں جو غلطیاں ہوئی ہوں ان کے متعلق قرآن کی ہدایت کے مطابق توبہ کریں' استغفار کریں اور ساتھ ہی اصلاح کریں۔ اگر حقوق العباد میں سے کسی کا حق مارا ہے تو فوراً ادا کریں۔ کسی کا کچھ نقصان کیا ہے تو اس کی تلافی کریں۔ اس سے معافی مانگیں اور اس کو راضی کریں۔ جب آپ اس طریقہ سے لیلۃ القدر میں قیام کریں گے تو روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ آپ کے سابقہ گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ دوسری روایت میں ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنے کا بھی یہی اجر بیان ہوا ہے۔ ایک آدمی اپنی زندگی بطالت میں گذار دیتا ہے لیکن کسی وقت اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو ارادہ کرتا ہے کہ اے رب آئندہ میں تیری مرضی کے مطابق زندگی بسر کروں گا۔ اور اس کا اہتمام یوں کرتا ہے کہ اپنے اقوال' اعمال اور تمام چیزوں کا احتساب کرتا رہتا ہے تو امید ہے کہ قرآن مجید میں توبہ کا جو قانون بیان ہوا ہے اس کے مطابق اس کو معاف کر دیا جائے گا۔

جہاں تک لیلۃ القدر کی اہمیت کا تعلق ہے اس کو یوں سمجھئے کہ خاص خاص چیزوں کے لئے خاص وقت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جس طرح سے دنیا کے کاروبار میں وقت اور موسم کا لحاظ ہے مثلاً گندم کی تخم ریزی خاص ایام ہی میں مفید ہوتی ہے اسی طرح سے روحانیت میں بھی اوقات کا لحاظ ہے۔ عرفہ کے دن کی خاص اہمیت ہے۔ تہجد کے وقت کی خاص قدر و قیمت ہے۔

نمازوں کے اوقات کے تعین میں بھی خاص رمز ہے۔ اسی طریقے سے شب قدر بھی کائنات میں اہم مقام رکھتی ہے۔ اس رات میں عالم لاہوت سے عالم ناسوت کے لئے تمام فیصلے سماء دنیا پر نازل ہو جاتے ہیں اور ہر محکمے کو احکام مل جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کے اندر برکت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس رات کے ملنے سے گویا تخم ریزی کا صحیح موسم آپ کو مل جاتا ہے اور یہ ایمان و احتساب کے ساتھ کی جاتی ہے۔ جس طرح آپ موسم کا فائدہ نہ اٹھائیں تو فصل نہیں ملے گی اسی طرح ایمان و احتساب کے بغیر آدمی شب قدر کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

غفرله ما تقدم من ذنبه کی خبر کو بعض لوگ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے گناہوں تک محدود مانتے ہیں۔ میرے نزدیک اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب بھی آپ نے ایمان و احتساب کا فیصلہ کر لیا اور آپ اس میں مخلص ہیں تو پچھلی ساری زندگی کا حساب بے باق ہو جائے گا۔

لیلۃ القدر کے وقوع کے متعلق اتنے اختلافات ہیں کہ اس رات کو معین کرنا ممکن نہیں۔ شارحین حدیث بھی ان اختلافات سے گھبرا جاتے ہیں۔ اس کے متعلق جو بات میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں وہ صرف اتنی ہے کہ قرآن مجید کا نزول لیلۃ القدر میں ہوا جو رمضان میں تھی۔ یہ خبر قرآن میں ہے اور قطعی ہے۔

باقی میرا خیال یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرے میں بالعموم اور ۲۷ رمضان کو بالخصوص اس رات کا حق ادا کریں تو انشاءاللہ مفید ہو گا۔ اس سے زیادہ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

باب۲۶۔ الجهاد من الایمان ۔ جہاد بھی ایمان کے تقاضوں میں سے ہے۔ پچھلا باب لیلۃ القدر سے متعلق تھا۔ اب باب الجہاد آ گیا۔ جہاد اور ایمان میں ایک قدر مشترک تو یہ ہے کہ جہاد بھی ایمان میں شامل ہے۔ لیکن ایمان میں شامل ہونے والی چیزوں کے بیان میں بھی تو ایک منطقی ترتیب ہونی چاہیے لیکن امام بخاری" اس بات کا خیال نہیں کرتے۔

۳۵ ۔ حدثنا حرمی بن حفص قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا عمارة قال ابوزرعة بن عمرو بن جریر قال سمعت ابو هریره عن النبی صلی الله علیه وسلم قال انتدب الله عزوجل لمن خرج فی سبیله لا یخرجه الا ایمان بی او تصدیق برسلی ان ارجعه بما نال من اجر او غنیمة او ادخله الجنة ولولا ان اشق علی امتی ما قعدت خلف سریة ولوددت انی اقتل فی سبیل الله ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل۔

ترجمہ:۔ عمرو بن جریر کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ضمانت دی ہے کہ جو شخص میری راہ میں نکلتا ہے محض مجھ پر ایمان کے تقاضے سے اور رسولوں کی تصدیق کی بنا پر تو میں اس کو اس کے اجر کے ساتھ یا غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں گا یا اس کو جنت میں داخل کروں گا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی امت کو مشکل میں ڈال دوں گا تو کوئی سریہ بھیج کر کے میں اس کے پیچھے نہ رہتا۔ میری

تمنا یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید ہوں۔

وضاحت: جہاد کے لئے بھی ایمان کی شرط ہے۔ جہاد کے لئے نکلنا خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے ہونا ضروری ہے۔ جو شخص غنیمت یا نمائش کے لئے نکلے گا تو ایسا نکلنا معتبر نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاد کے لئے نکلنا رسولوں کی تصدیق کے لئے ہو۔ یہاں لفظ رسولوں کھٹکتا ہے۔ ہو سکتا ہے راویوں سے غلطی ہو گئی ہو اور اصل میں "برسلی" کے بجائے "برسولی" ہو۔ کیونکہ موقع تو "برسولی" ہی کا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے لئے جہاد ہو۔ لیکن لفظ "رسلی" سے بھی مفہوم میں فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ ایک رسول کی تصدیق تمام رسولوں کی تصدیق ہے۔ اخلاص کے ساتھ جہاد کے لئے نکلنے والے کے لئے اجر یا غنیمت کی ضمانت ہے۔ اجر تو لازمی چیز ہے۔ غنیمت کا معاملہ قدرے مختلف ہے اور حالات پر منحصر ہے۔ اگر مجاہد شہید ہو گیا تو جنت میں جائے گا۔ جہاد کے لئے جو شخص بھی جان کا نذرانہ لے کر نکلتا ہے اس کا یہی اجر ہونا چاہیے کہ جنت میں جائے۔ اور یہ ایسا اجر ہے جس کی تمنا ہونی چاہیے۔ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ وہ کھڑے کھجوریں کھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ اگر میں جہاد میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنت میں۔ انہوں نے کہا کہ تب کھجوریں کھانے میں تو دیر لگے گی۔ وہ کھجوریں وہیں چھوڑ کر جہاد کے لئے چلے گئے اور شہید ہو گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس بات کی آرزو رکھتا ہوں کہ ہر سریہ کے ساتھ نکلوں لیکن اس لئے نہیں نکلتا کہ ایسا کرنے سے ہر شخص کی آرزو ہو گی کہ وہ بھی میرے ساتھ نکلے۔ اور یہ امت کے لئے شاق ہو گا۔

باب۲۷۔ تطوع قیام رمضان من الایمان ۔

ترجمہ:۔ رمضان میں تطوع کرنا (رات میں نوافل پڑھنا) ایمان میں سے ہے۔

۳۶ ۔ حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالک عن بن شهاب عن حمید بن عبدالرحمن عن ابی هریره ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے مہینے میں ایمان و احتساب کے ساتھ قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

باب۲۸۔ صوم رمضان احتسابا من الایمان ۔

ترجمہ:۔ احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنا ایمان میں سے ہے۔

۳۷ - حدثنا ابن سلام قال اخبر نا محمد بن فضیل قال حدثنا یحی ابن سعید عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ -

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب سے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

وضاحت: مذکورہ دونوں باب اور انکے تحت ایک ایک روایت رمضان ہی سے متعلق ہیں لیکن امام بخاریؒ نے بڑی فیاضی سے الگ الگ باب باندھ دیئے ہیں۔ جبکہ رمضان ہی سے متعلق لیلۃ القدر کے بارے میں ایک الگ باب اور روایت پہلے گذر چکی ہے۔

ان روایات میں اصل چیز ایمان اور احتساب ہے۔ لیلۃ القدر کی روایت میں جو پیچھے گذر چکی ہے اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اور اس بات کی بھی وضاحت ہو چکی ہے کہ جس طرح دنیا کے کاروبار میں وقت اور موسم کا لحاظ ہے' اسی طرح سے روحانیت میں بھی اوقات کا لحاظ ہے۔ چنانچہ ماہ رمضان کی خاص برکات ہیں جس وجہ سے اس ماہ میں عبادت کرنا اور روزے رکھنا گذشتہ گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

قیام رمضان سے بعض لوگوں نے تراویح مراد لی ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تہجد ہی کی نماز پڑھی ہے۔ تہجد کے سوا اور کوئی نماز آپ سے ثابت نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ رمضان اور غیر رمضان میں تہجد ہی کی نماز پڑھتے تھے۔ اس کی رکعتوں کی تعداد طبیعت اور حالات کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ پہلے آپؐ تہجد گھر پر پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ جب مسجد میں آکر پڑھنا شروع کیا تو لوگ دوڑ پڑے اور چند دنوں میں بھیڑ ہو گئی۔ اس پر آپؐ نے مسجد میں آنا بند کر دیا اور فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ تہجد کی نماز تم پر واجب کر دی جائے۔ لیکن بعد میں بھی لوگ اپنے طور پر مسجد میں آتے رہے۔ چونکہ تہجد کی نماز میں قرات بالجہر بھی ہے اس لئے کہ رتل القرآن ترتیلا کا مقصد اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ قرآن مجید کی ترتیل کے ساتھ تلاوت کی جائے تب جا کے ان قرآن الفجر کان مشھودا کا مقام حاصل ہوتا ہے اور آدمی محسوس کرتا ہے کہ قرآن اس کے دل پر نازل ہو رہا ہے۔ اس لئے مسجد نبوی میں عملاً یہ شکل پیدا ہو گئی کہ دو آدمی کہیں نماز پڑھ رہے ہیں۔ چار کہیں پڑھ رہے ہیں اور سب بالجہر پڑھ رہے ہیں تو یہ بات اسلام کے مزاج کے خلاف تھی۔ سیدنا عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو آپؓ نے تمام لوگوں کے لئے ایک امام بنا دیا۔ اسی نماز کو تراویح کا نام دیا گیا۔

تہجد میں اصل چیز قرآن مجید کی تلاوت ہے اور سورہ مزمل میں اس کے بارے میں ہدایت ہے کہ **فاقروا ما تیسر منہ** یعنی اتنا پڑھو جو سہولت سے پڑھ سکتے ہو۔ اس لئے میرے نزدیک نماز کی رکعتوں کی تعداد پر الجھنا صحیح نہیں۔ جتنی رکعتیں پڑھ سکتے ہیں پڑھیں۔ اصل چیز قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ میرے نزدیک رمضان

(بقیہ بر صفحہ ۴۴)

تدبر حدیث

امین احسن اصلاحی

تجارت کی جائز و ناجائز صورتیں

(موطا امام مالک کی کتاب البیوع کی روایات)

جامع الدین والحول

قرض اور حوالہ کے بارے میں جامع باب

۲۰ - حدثنا یحی عن مالک عن ابی الزنا دعن الاعرج عن ابی ھریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔ مطل الغنی ظلم ' واذا اتبع احد کم علی ملی ء فلیتبع

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب مال کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور اگر تم میں سے کوئی کچھ مدت کے لئے ٹالا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ قبول کرے۔

وضاحت... اس روایت میں پہلا جملہ " مطل الغنی ظلم " (مالدار کا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے) تو بالکل صاف ہے۔ لیکن روایت کا دوسرا حصہ بڑا نزاعی ہے۔ اکثر شارحین نے ملی کو غنی کے معنی میں لیا ہے۔ یہ لفظ اس معنی میں بھی آتا ہے لیکن اہل لغت میں اس کے معروف معنی ملیاً کے ہیں جس معنی میں وہ قرآن مجید میں ہے کہ آزر نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا تھا **واھجرنی ملیا**۔ یہاں ملیاً کا لفظ ساعت 'مدت 'وقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ **واھجرنی ملیا** کے معنی 'یہاں سے دور ہو جاؤ اور میرے پاس کبھی نہ آئیو' کے بھی ہو سکتے ہیں اور 'یہاں سے کچھ مدت کے لئے چلے جاؤ' کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اتبع کے معنی کسی کو کسی رخ پر ٹالنے کے آتے ہیں۔ اس طرح قرآن مجید کے مطابق معنی لینے سے حدیث کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اگر کسی کو کچھ مدت کے لئے ٹالا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ قبول کرے۔ اس طرح دونوں فقرے بہت پر حکمت معلوم ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی غنی کا مال رکھتے ہوئے ٹال مٹول کرنا خسیسانہ حرکت ہے۔ ایسا کرنے والا لئیم آدمی ہے۔ لیکن تم بھی ذرا آدمی بنو۔ اگر تم کو کچھ وقت کے لئے ٹالا جاتا ہے تو ٹل بھی جاؤ۔ اگر ملی کو غنی کے معنی

میں لیا جائے جیسا کہ اکثر شارحین نے لیا ہے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ "جب تم میں سے کسی کو مقدار شخص کے حوالے کیا جائے تو چاہئے کہ وہ قبول کرے۔ غور کیجئے کیا یہ ایک معقول بات ہے۔ آخر اپنی بلا دوسرے کے سر کیوں ڈالی جائے اور قرض خواہ کو اس تجویز کو ماننے پر کیوں مجبور کیا جائے۔ شارحین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ واجب نہیں محض ایک مشورہ ہے۔ تو اس مشورے کی ضرورت قرضے کی ادائیگی میں کیسی۔ یہ بالکل مہمل بات معلوم ہوتی ہے۔ اتنے عظیم فقرہ " مطل الغنی ظلم " کے بعد کوئی بامعنی بات ہونی چاہئے۔ میرے خیال میں ملی کے معنی غنی لینے کے بجائے اگر مدت لیا جائے تو بات نہایت پر حکمت بن جاتی ہے۔ واعلم عند اللہ۔

ماجاء فی افلاس الغریم

خریدار کے دیوالیہ ہو جانے کے بارے میں

۲۱ ۔ حدثنی یحیی عن مالک عن ابن شہاب عن ابی بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ۔ ایما رجل باع متاعا" فافلس الذی ابتاعہ منہ ولم یقبض الذی باعہ من ثمنہ شیاء فوجدہ بعینہ فھواحق بہ وان مات الذی ابتاعہ فصاحب المتاع فیہ اسوۃ الغرماء

ترجمہ ... ابن شہاب سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص کوئی چیز بیچے اور خریدنے والا دیوالیہ ہو جائے لیکن بائع نے ابھی قیمت میں سے کچھ نہ لیا ہو اور اس کا مال بعینہ خریدار کے پاس مل جائے تو وہ بیچنے والا اس مال کا سب سے زیادہ حقدار ہو گا اور اگر خریدار مرگیا ہو تو بیچنے والا بھی دوسرے دعویداروں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔

۲۲ ۔ وحدثنی مالک عن یحیی بن سعید عن ابی بکربن محمد بن عمرو بن حزم عن عمر بن عبدالعزیز عن ابی بکربن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایمار جل افلس فادرک الرجل مالہ بعینہ فھو احق بہ من غیرہ۔

ترجمہ ... حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دیوالیہ ہو جائے اور اس کے پاس مال بیچنے والا اپنا مال پا جائے تو وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنے مال کا زیادہ حق دار ہو گا۔

وضاحت ... ان دونوں روایات کا مفہوم ایک ہی ہے۔ پہلی روایت کے مطابق دیوالیہ شخص کی موت کی صورت میں بائع کا حق دوسرے دعویداروں کے ساتھ ہی ہو گا۔ اس کو اپنا مال واپس لینے کا حق نہیں ہو گا اگرچہ وہ مال بعینہ دیوالیہ شخص کے اموال میں موجود ہو۔ احناف کے نزدیک دونوں صورتوں یعنی دیوالیہ ہونے کی صورت میں بھی اور موت کی صورت میں بھی بائع دوسرے دعویداروں میں شریک ہو گا۔ وہ بائع کا حق دوسروں سے فائق

نہیں مانتے۔ لیکن مالکیہ دوسری روایت کی بنا پر بائع کا حق دوسرے دعویداروں کے مقابل میں ارفع مانتے ہیں۔ میرے نزدیک احناف کا مسلک زیادہ معقول ہے۔

ما یجوز من السلف

پیشگی دینے کی جائز شکلیں

۲۳ حدثنی یحیی عن مالک عن زید بن اسلم عن عطاء ابن یسار عن ابی رافع مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال۔ استسلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکرا فجاءتہ ابل من الصدقۃ' قال ابو رافع فامرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقضی الرجل بکرہ' فقلت لم اجد فی الابل الا جملا خیارا رباعیا' فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطہ ایاہ، فان خیار الناس احسنھم قضاء

ترجمہ: ابو رافع جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ قرض لیا۔ جب آپؐ کے پاس صدقے کے اونٹ آئے تو ابو رافع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شخص (قرض خواہ) کو ایک جوان اونٹ دے دوں۔ میں نے عرض کیا کہ اونٹوں میں کوئی جوان اونٹ نہیں' سب چھ سات سالہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہی دے دو کیونکہ بہترین آدمی وہ ہوتے ہیں جو قرض کو بہترین طریقے سے ادا کریں۔

وضاحت: اس روایت میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے لیکن بعض لوگوں نے اس پر یہ سوال اٹھایا ہے کہ آنحضرتؐ صدقے کے مال کے متولی تھے' تو کیا متولی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بچہ اونٹ کے بدلے میں کسی قرض خواہ کو نوجوان اونٹ دے دے۔ میرے نزدیک یہ سوال اس لئے نہیں پیدا ہوتا کہ خیر' عدل اور نیکی کے اصولوں کا لحاظ رکھنا بیت المال کے متولی کا بھی فرض ہے۔ بیت المال کا متولی کوئی منشی یا کلرک نہیں ہوتا بلکہ ایک صاحب اختیار شخص ہوتا ہے۔ میرے خیال میں ہر متولی کو یہ حق حاصل ہے کہ جو بات حق کے اعلیٰ معیار کے مطابق ہے وہ کرے۔ یہ کام یتیم کا متولی بھی کر سکتا ہے اور یہ کوئی ناانصافی نہیں ہوگی۔ قرآن مجید معاملات میں احسن طریقہ اختیار کرنے کا جو حکم دیتا ہے یہ بات اس میں داخل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو فضائل اعمال سکھانے پر مامور تھے۔ اس خیر کی تعلیم دینے میں آپ کیوں کمزوری دکھاتے جب کہ اتفاق سے اس تعلیم کا ایک مناسب موقع سامنے آگیا تھا۔

۲۴ ۔ وحدثنی مالک عن حمید بن قیس المکی عن مجاھد انہ قال۔ استسلف عبداللہ بن عمر من رجل دراھم ثم قضاہ دراھم خیرا منھا' فقال الرجل یا ابا

عبد الرحمن هذه خير من د راهمى التى اسلفتك فقال عبد الله بن عمر قد علمت ولكن نفسى بذ الك طيبته۔

ترجمہ: مجاہد سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر نے ایک شخص سے کچھ درہم قرض لئے پھر اس کو ان سے اچھے درہم واپس کئے۔ اس شخص نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن یہ ان درہموں سے جو میں نے آپ کو دیئے تھے بہتر ہیں۔ تو عبداللہ بن عمر نے کہا مجھے معلوم ہے لیکن میرا دل اس پر راضی ہے۔

وضاحت: اس زمانے میں درہم مسکوک بھی ہوتے تھے اور غیر مسکوک بھی۔ بعض میں اچھی چاندی یا سونا ہوتا تھا اور دوسروں میں کچھ کم ہوتا تھا۔ اس طرح درہم کی حقیقی مالیت کم و بیش ہو جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب بہتر مالیت کے درہم واپس کئے تو لینے والے نے درہموں کا فرق محسوس کیا اور حضرت عبداللہ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ میں جانتے ہوئے یہ دے رہا ہوں۔ اگر قرض واپس کرنے والا اصل سے بہتر چیز اپنی رضا سے دے اور وہ کسی شرط یا وعدے اور رواج پر مبنی نہ ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اس میں ربا کا شائبہ پیدا نہیں ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کے نزدیک قرض کی واپسی کا یہ معاملہ اس روایت کے تحت نہیں آتا جس میں حضور نے فرمایا **الورق بالورق والذهب بالذهب ربا الا مثلا بمثل يد ا بيد** یعنی یہ کہ سونا یا چاندی کے تبادلے میں اگر ادھار اور تفاضل ہو تو سود کا شائبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک بات ضرور ہے کہ کوئی شخص اسی سے حیلہ شرعی کا راستہ کھول سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان راستوں کو بند کرنا ممکن نہیں۔

مالا يجوز من السلف
پیشگی دینے کی ناجائز شکلیں

۲۵ **حدثنى يحى عن مالک انه بلغه ان عمر بن الخطاب قال فى رجل اسلف رجلا طعاما على ان يعطيه اياه فى بلد آخر فكره ذ الک عمر بن الخطاب وقال فاين الحمل يعنى حملانه**

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک ایسے شخص کے معاملے کو، جس نے دوسرے کو پیشگی گندم اس شرط پر دی تھی کہ وہ اس کو کسی دوسرے شہر میں ادا کرے گا، ناپسند فرمایا اور کہا کہ اس کی باربرداری کا کیا ہو گا۔

وضاحت: حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا بالکل ٹھیک تھا۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ ادا کرنے والے کا رقبہ اس شہر میں رہا

ہو جہاں گندم واپس کی جانی تھی اور اس کو باربرداری کا خرچ نہ اٹھانا پڑتا ہو۔ لیکن یہ شکل ہمیشہ تو نہیں ہو سکتی۔ جس شخص کی وہاں قریب زمین وغیرہ نہ ہو تو اس کو لازما" باربرداری کا خرچ اٹھانا پڑے گا۔ اور اس وجہ سے اس معاملے میں سود داخل ہو جائے گا۔

۲۶ **وحدثنى مالک انه بلغه ان رجلا اتى عبدالله بن عمر فقال يا ابا عبد الرحمن انى اسلفت رجلا سلفا واشترطت عليه افضل مما اسلفته فقال عبدالله بن عمر فذالک الربا قال فكيف تامرنى يا ابا عبدالرحمن فقال عبدالله السلف على ثلاثة وجوه، سلف تسلفه تريد ه به وجه الله فلک وجه الله وسلف تسلفه تريد به وجه صاحبک فلک وجه صاحبک وسلف تسلفه لتاخذ خبيثا بطيب فذالک الربا۔ قال فكيف تامرنى يا ابا عبدالرحمن قال ارى ان تشق الصحيفته فان اعطاک مثل الذى اسلفته قبلته وان اعطاک دون الذى اسلفته فاخذته اجرت وان اعطاک افضل مما اسلفته طيبته به نفسه فذ الک شكر شكره لک ولک اجر ما انظرته۔**

ترجمہ: امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی۔ کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا اے ابو عبدالرحمٰن (یہ عبداللہ بن عمرؓ کی کنیت ہے) میں نے ایک شخص کو قرض دیا ہے اور یہ شرط ٹھہرائی ہے کہ تم مجھ کو اس سے افضل واپس کرو گے۔ اس پر عبداللہ بن عمرؓ نے کہا یہی تو ربا ہوتا ہے۔ اس نے کہا پھر آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا پیشگی دینے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیں تو آپ کو اللہ کی رضا مل جائے گی۔ دوسری یہ کہ آپ اپنے ساتھی کی خوشنودی چاہتے ہیں تو وہ آپ کو حاصل ہو جائے گی۔ تیسری یہ کہ آپ طیب مال کے بدلے خبیث حاصل کریں تو یہ ربا کی شکل ہے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا میرا مشورہ یہ ہے کہ کاغذ جو لکھا گیا ہے اس کو پھاڑ دو۔ اگر وہ شخص ویسا ہی مال واپس دے جیسا آپ نے دیا تھا تو قبول کر لیجئے۔ اور اگر اس مال سے کمتر دے اور آپ قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا اور اگر اس نے اپنی خوشی سے بہتر مال دیا تو یہ اسکی طرف سے آپ کے لئے شکریہ کا اظہار ہو گا اور آپ کو اس مہلت کا اجر ملے گا جو آپ نے اس کو دی۔

۲۷ **وحدثنى مالک عن نافع انه سمع عبدالله بن عمر يقول من اسلف سلفا فلا يشترط الا قضائه**

ترجمہ: امام مالکؒ نافع سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جو کوئی کسی کو پیشگی دے تو ادائیگی کی شرط کے سوا اور کوئی شرط نہ لگائے۔

۲۸ **وحدثنى مالک انه بلغه ان عبدالله بن مسعود كان يقول من اسلف سلفا فلا**

بشرط الفضل منه وان كانت قبضة من علف فهو ربا

ترجمہ: امام مالک کو یہ بات پہنچی کہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ جس کسی نے کچھ پیشگی دیا تو وہ اس سے افضل کی واپسی کی شرط نہ لگائے اگرچہ ایک مٹھی چارے کی ہو کیونکہ وہ سود ہو جائے گا۔

وضاحت: یہ تینوں روایتیں اس بارے میں ہیں کہ اگر کسی کو آپ کوئی چیز کچھ مدت کے لئے ادھار دیں تو سوائے اس کی بروقت ادائیگی کے اس پر اور کوئی ایسی شرط عائد نہ کریں جس سے ربا یا ربا کا شائبہ بھی پیدا ہوتا ہو۔ پہلی دونوں روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اور تیسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے جو فقہ حنفی کے ستون اعظم ہیں۔ ان روایات سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ قرض لینے کی صورت میں خواہ تفاضل ہو (یعنی دیے گئے اور واپس لئے گئے مال کی مقدار میں فرق ہو) یا جو مال دیا گیا اس سے بہتر کا مطالبہ ہو یا کوئی اور طرح کا فائدہ مقدر یا مشروط ہو تو وہ ربا ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے میں کسی کو کچھ دینے میں ایثار کا جذبہ کار فرما ہونا چاہئے جس سے اللہ تعالے کی رضاجوئی مطلوب ہو۔ یا کم از کم اپنے مسلمان بھائی کی مدد مقصود ہو۔ لیکن اگر اس کام کے پیچھے کوئی اور دنیوی غرض یا مقصد کار فرما ہو تو' جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا' اس صورت میں طیب مال کے بدلے خبیث مال (یعنی سود) حاصل ہو گا اور اللہ کے ہاں اجر کے بدلے میں عذاب ملے گا۔

ما ينهى عنه من المساومة والمبايعة

مول بھاؤ کرنے کے معاملے میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے۔

٢٩ **حدثني يحيى عن مالك عن نافع عن عبدالله بن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم' قال لا يبيع بعضكم على بيع بعض۔**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع کے اوپر بیع نہ کرے۔

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ اگر ایک سودا ہو گیا ہے تو آپ یہ نہیں کر سکتے کہ اس بیع کو ختم کرنے کے لئے خریدار سے یہ کہیں کہ میں سستا دیتا ہوں یا فروخت کنندہ سے کہیں کہ اس بیع کو ختم کرو میں تم کو زیادہ دام دیتا ہوں۔ بازار میں جو مقابلہ ہوتا ہے وہ اس کے تحت نہیں آتا۔ مقابلہ آپ کر سکتے ہیں۔ لیکن بیع مکمل ہونے کے بعد بیع کی اجازت نہیں یعنی یہ کہ معاملہ طے ہو چکا تب آپ آگئے اور اس بیع کو خراب کرنے کی کوشش کی۔

٣٠ **حدثني مالك عن ابي الزناد عن الاعرج عن ابي هريره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال۔ لا تلقوا الركبان للبيع' ولا يبيع بعضكم على بيع بعض ولا**

تناجشوا' ولا يبيع حاضر لباد' ولا تصروا الابل والغنم' فمن ابتاعها بعد ذالك فهو بخير النظرين بعد ان يحلبها ان رضيها امسكها و ان سخطها ردها' وصاع من تمر۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باہر سے مال لانے والوں کا مال خریدنے کے لئے آگے بڑھ کر استقبال کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اور ایک دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرو۔ اور قیمت بڑھانے کے لئے مصنوعی بیع نہ کرو۔ اور شہر کا مقیم دیہاتی کا تاجر نہ بنے اور اونٹ یا بکری کے تھن میں دودھ جمع نہ کرو۔ اور جس کسی نے ایسی شکل میں جانور خریدا تو دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے کہ اگر راضی ہو تو ٹھیک ورنہ بیع کو رد کر دے اور ایک صاع کھجور ادا کرے۔

وضاحت: تلقی الرکبان کا مطلب یہ ہے کہ جس راستے سے منڈی میں مال آتا ہے آپ اس راستے پر شہر سے باہر نکل کر بیٹھ جاتے ہیں اور مال لے کر آنے والے قافلوں کو چائے سگریٹ پلا کر اس سے مول بھاؤ کر لیتے ہیں۔ آپ ان کو یہ موقع نہیں دیتے کہ وہ مارکیٹ میں پہنچ کر اپنے مال کی قیمت کا صحیح اندازہ کر سکیں۔ ایسا کرنا پبلک کے مفاد کے ساتھ خیانت ہے۔ اس میں منڈی میں کاروبار کرنے والوں کا بھی نقصان ہے اور دیہات سے مال لانے والوں کو بھی مال کا صحیح معاوضہ نہ ملنے کا اندیشہ ہے۔ ایک بیع کے اوپر دوسری بیع کرنے کی صورت پچھلی روایت میں زیر بحث آ چکی ہے۔

قیمت بڑھانے کے لئے مصنوعی بیع کو نجش کہتے ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ ایک مال پانچ روپے کا ہے۔ آپ اس کو سات روپے میں خریدنے کا معاملہ کر لیتے ہیں حالانکہ آپ کی نیت خریدنے کی نہیں ہے' بلکہ یہ ہے کہ قیمت بڑھائیں اور آپ کی زیادہ بولی دیکھ کر حقیقی خریدار زیادہ قیمت پر معاملہ کر لے۔ یہ معاملہ نجش کہلاتا ہے۔ اور اگر اس کو پیشہ بنا لیا جائے' کچھ لوگ یہی کام شروع کر دیں تو یہ تناجش ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کیونکہ یہ مصنوعی طور پر منڈی کی قیمتیں بڑھانے کی ایک کوشش اور پبلک کے لئے ضرر کا باعث ہے۔ شہر کے مقامی آدمی کو دیہاتی کا دلال بننے سے حضورؐ نے روکا اور فرمایا کہ دیہاتی کو مال بازار میں لانے دیں۔ کھلے بازار میں جو بھاؤ چل رہا ہے اس پر وہ مال فروخت کرے۔ اس ہدایت کی وجہ یہ ہے کہ مقیم شہری دیہاتیوں کو بے وقوف بنا کر ان کو نقصان پہنچاتے اور مارکیٹ کے بھاؤ کو خراب کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں آڑھتی یہی کام کرتے ہیں اور غریب کسانوں کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

جانوروں کی بیع میں فریب دہی کی ایک شکل یہ ہے کہ ایک یا دو دن دودھ نہیں نکالتے تو جانور کے تھن موٹے ہو جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ گائے یا بکری بہت دودھ دینے والی ہے۔ یہ مصنوعی طور پر دودھ زیادہ

دکھاتا ہوتا ہے۔ ایسی بیع میں مشتری کو اختیار ہو گا کہ وہ تین دن دودھ دوہنے کے بعد فیصلہ کرے کہ آیا وہ بیع کو قائم رکھتا ہے یا رد کرتا ہے۔ عام قسم کی بیع میں خیار نہیں ہوتا۔ آپ نے اپنی پسند سے دکان سے ایک چیز خریدی اور گھر چلے گئے۔ اب اگر ناقص ہے تو دکاندار کی صوابدید پر ہے۔ چاہے تو واپس کر لے چاہے انکار کرے۔ لیکن دودھ دینے والے یا دوسرے جانوروں کے معاملے میں مشتری کو خیار کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کو بیع کے وقت یہ ظاہر کر دینا چاہئے کہ وہ جانور کی عادات دیکھ کر یا اس کا دودھ نکال کر دو یا تین دن میں بیع کا فیصلہ کرے گا۔ احناف کے ہاں خیار کی مدت تین دن ہے جبکہ مالکیہ کے ہاں ہر چیز کی الگ الگ مدت ہے۔ میرے نزدیک مالکیہ کی بات زیادہ قوی ہے۔ ہر چیز کی نوعیت کے لحاظ سے یہ مدت مقرر کی جا سکتی ہے۔

۳۱ قال مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن النجش۔ قال مالک و النجش ان تعطیہ بسلعتہ اکثر من ثمنھا ولیس فی نفسک اشتراؤ ھا فیقتدی بک غیرک

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا۔ امام مالک ؒ کہتے ہیں کہ نجش یہ ہے کہ تم سامان کی اصل قیمت سے زیادہ قیمت لگاؤ جبکہ تمہارا ارادہ وہ مال خریدنے کا نہیں ؛ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ دوسرا آدمی آپ کے پیچھے لگ کر قیمت زیادہ لگائے۔

یہ وہی نجش ہے جس کی وضاحت پچھلی روایت میں ہو چکی ہے۔

۳۲ حدثنی یحی عن مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمران رجلا ذکر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ یخدع فی البیوع ' فقال رسول اللہ اذا بایعت فقل لا خلابۃ ' قال فکان الرجل اذا بایع یقول لا خلابۃ

ترجمہ: عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں سودے میں دھوکا کھا جاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب خریدو تو "لاخلابۃ" کہہ دیا کرو۔ چنانچہ وہ شخص جب خریدتا تو "لاخلابۃ" کہہ دیتا۔

وضاحت: "لاخلابۃ" کے معنی ہیں کہ دھوکا نہیں ہو گا۔ یہ کہنے سے یہ شرط عاید کرنا مقصود ہے کہ اگر دھوکا ہوا تو میں اس سودے سے بری ہوں۔ یہ بھی خیار ہی کی ایک شکل ہے۔ لاخلابہ کے ساتھ مدت کی شرط بھی لگا سکتے ہیں۔ احناف کے ہاں تین دن کی مدت کی شرط لگائی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ مدت کسی نص پر مبنی نہیں۔ آپ اس سے زیادہ مدت کی شرط بھی لگا سکتے ہیں۔

(ترتیب۔ سعید احمد)

اسالیب قرآن

خالد مسعود

حذف

کلام میں سے غیر ضروری الفاظ کو ساقط کر دینے کا اسلوب حذف کہلاتا ہے۔ غیر ضروری الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے بغیر بھی کلام قابل فہم رہتا اور سننے والا اس سے متاثر ہوتا ہے۔ کسی بھی گفتگو یا کلام کا حقیقی مقصد یہی ہوتا ہے کہ سامع اس کے مدعا کو سمجھ جائے اور اس کا وہ اثر قبول کرے جو اس گفتگو یا کلام سے دینا مقصود ہے۔ کلام میں اگر ایسے الفاظ داخل ہوں جن کے بغیر بھی کلام کا یہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے تو ان کے باعث کلام بلاوجہ طویل اور بوجھل ہو جائے گا اور سننے والا اس کو آسانی سے بھلا دے گا۔ لہٰذا اچھے کلام کے لئے حذف نہایت ضروری ہوتا ہے۔

کلام کے سامعین اپنے فہم اور اثر پذیری کے لحاظ سے الگ الگ مرتبہ کے ہوتے ہیں۔ بعض قومیں اس معاملہ میں دوسری قوموں پر فوقیت رکھتی ہیں۔ اس لئے مختلف زبانوں میں زبان کے اندر حذف کی مقدار میں خاصہ فرق واقع ہوا ہے۔ ہم لوگ اردو میں بات کو طول دینے کے عادی ہیں لیکن عرب نہایت تیز فہم اور ان کے ذہن بیدار تھے اس لئے غیر ضروری طور پر طویل کلام ان کو بوجھل محسوس ہوتا تھا۔ وہ ایسے کلام کو پسند کرتے جو مختصر لیکن مدعا کو حاصل کرنے کے لئے کافی ہوتا۔ اگر کوئی خطیب کلام کے غیر ضروری حصے دور نہ کرتا تو اس کا کلام لوگوں کی نظروں سے گر جاتا اور اس کا سننا ان کی سامعہ پر گراں گزرتا۔ جو خطیب بلاوجہ بات کو طول دیئے جاتا لوگ اس کو احمق سمجھتے یا پھر اس کے متعلق ان کا خیال ہوتا کہ وہ ان کو کند ذہن اور احمق سمجھ کر بات کر رہا ہے۔ یہ دونوں صورتیں ان کو پسند نہ تھیں۔ اپنی اسی ذکاوت کے باعث عربوں نے اپنی زبان کی اہم خصوصیت یہ رکھی کہ حذف کا اسلوب اس میں نمایاں ہوا۔

عربی زبان میں حذف کئی پہلوؤں سے نمایاں ہوا ہے جن میں سے بعض بآسانی نگاہ میں آ جاتے ہیں:

۱۔ جس طرح عبرانی زبان میں نقطوں اور حرکات کا تصور نہیں تھا لیکن اس کے باوجود وہ پڑھی جاتی تھی ' اسی طرح عربی زبان میں بھی نقطے لگانے اور حرکات ظاہر کرنے کا کوئی تصور نہ تھا۔ عربوں نے اپنی کسی ضرورت کے لئے نقطے اور حرکات لگانے کا کام نہیں کیا بلکہ جب اسلام عجمیوں میں پھیلا اور ان کو قرآن مجید کی تلاوت

میں وقت محسوس ہوئی تو ان کی سہولت کے لئے پہلے نقطے لگا کر حروف کو ایک دوسرے سے ممیز کیا گیا اور پھر حرکات ایجاد کی گئیں جن کی مدد سے عجمی لوگ قرآن پڑھنے پر قادر ہو سکیں۔

ب۔ عرب جب حروف کو ملا کر کوئی مرکب لفظ لکھتے تو بیشتر حروف کی شکل کا کچھ حصہ حذف کر دیتے اور اس کے باقی حصہ ہی پر قناعت کرتے۔ مثال کے طور پر ع ص ر کو ملا کر لکھنے کی صورت میں ع اور ص کا محض سر لکھ لینا کافی سمجھا گیا اور اس کو عصر کی صورت میں لکھا گیا۔ اسی طرح ال ت ی ن میں سے کچھ حروف کا علامتی حصہ لے کر مرکب صورت میں اس کو عربوں نے التین لکھا۔ بعد میں جب عجمیوں کے لئے نقاط فراہم کئے گئے تو یہ لفظ 'التین' کے طور پر لکھا جانے لگا۔ عربی میں کتاب کو کتٰب اور رحمان کو رحمٰن لکھا گیا یعنی دونوں لفظوں میں الف کو حذف کر دیا گیا حالانکہ وہ پڑھنے میں آتا ہے۔

ج۔ عربوں نے کلام کے دو حصوں کو جوڑنے والے حروف کی بالعموم ضرورت محسوس نہیں کی۔ مثال کے طور پر اضافت یعنی ایک چیز کے دوسری چیز کے ساتھ تعلق کو بتانے کے لئے ہم اردو میں 'کا' کے یا کی میں سے کوئی حرف استعمال کرتے ہیں لیکن عربی میں یہ اضافت بغیر کسی زائد حرف کے ظاہر ہو جاتی ہے۔ مثلاً احمد کی کتاب۔ کتابُ احمد گھوڑے کے دو کان۔۔۔ اذنا فرس۔ اسی طرح جملے یا لفظ میں کسی ابہام کو دور کرنے کے لئے جو وضاحت کی جاتی ہے اور جس کو تمیز کہتے ہیں 'عربی میں اس کے لئے اصل وضاحت سے زائد کوئی حروف نہیں بڑھائے جاتے جبکہ اردو میں اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ مثلاً اردو میں کہا جائے گا۔ سلیم نسب کے لحاظ سے شریف ہے۔ عربی میں کہیں گے سلیم شریف نسباً 'نسب کے لحاظ سے' کا مفہوم محض لفظ نسب کے اعراب سے ادا ہو جاتا ہے۔ الفاظ کی یہی کیفیت خبر' حال' ظرف وغیرہ کے استعمال میں بھی نظر آتی ہے۔ دوسری زبانیں اس خصوصیت سے تہی دامن ہیں۔ صرف عربی نے زبان کے ارتقا میں یہ رفعت حاصل کی ہے۔

د۔ عربوں نے جملوں کے دروبست میں سے اتنا حصہ نکال دیا جو قرینہ سے سمجھ میں آ جاتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کلام میں کبھی مبتدا غائب ہوتا ہے تو کبھی خبر' کہیں فعل بیان نہیں ہوتا کہ قاری موقع و محل کی روشنی میں خود اس تک رسائی حاصل کر سکتا ہے' کہیں شرطیہ جملے کا جواب غائب ہوتا ہے یا الفاظ قسم کے بعد مقسوم علیہ کے الفاظ محذوف ہوتے ہیں۔ حذف کی یہ شکلیں اسی موقع پر اختیار کی جاتی ہیں جہاں سیاق و سباق اس حذف کے مقدر معنی تک رہنمائی کر رہا ہوتا ہے۔

ہ۔ اہل عرب کوئی قصہ بیان کرتے ہیں تو اس میں سے بھی غیر ضروری تفصیلات کو نکال دیتے ہیں۔ جب دلیل بیان کرتے ہیں تو اس کے ایسے مقدمات کو حذف کر دیتے ہیں جن کو حذف کرنے کی جرات دوسری قومیں کبھی نہیں کرتیں۔ عربی کی جن مشکلات کے باعث اہل عرب کے کلام کو سمجھنا عجمیوں کے لئے بہت مشکل ہوا' اس کا ایک سبب اسی طرح کے محذوفات ہیں۔

قرآن مجید میں حذف کا اسلوب عام استعمال ہوا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس سے واقفیت حاصل کریں۔ اس اسلوب سے ناواقف آدمی کلام کے صحیح مفہوم تک رسائی نہیں پاتا اور اگر حذف سے واقف ہے لیکن اس کے مقدر معانی کے کھولنے میں غلطی کر دیتا ہے تو وہ کلام کے معانی ہی کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ لہٰذا اس اسلوب کو سمجھنے کی ضرورت اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی بظاہر نظر آتی ہے۔

حذف مبتدا و خبر

عربی میں سادہ ترین جملہ مبتدا و خبر (جن کو مسند الیہ و مسند بھی کہتے ہیں) سے مل کر بنتا ہے۔ کلام میں اس ترکیب کے جملوں میں سے کبھی مبتدا کو اور کبھی خبر کو محذوف کر دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کلام کا محذوف حصہ اس قدر واضح ہوتا ہے کہ جملہ کا دروبست خود اس کی غمازی کر رہا ہوتا ہے اور قاری بغیر کسی اشتباہ کے اس تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ مبتدا کو حذف کر کے خبر پر اور خبر کو حذف کر کے مبتدا پر قاری کی پوری توجہ مرکوز کر دینا مطلوب ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں مبتدا یا خبر کے حذف کا اسلوب بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ منافقین کے ذکر میں بتایا ہے۔

ویقولون طاعۃ (نساء ۸۱)

"اور یہ کہتے ہیں کہ (ہمارا شیوہ) سر تسلیم خم ہے۔"

۲۔ فالق الاصباح وجعل الیل سکنا (انعام ۹۶)

"(اللہ ہی) برآمد کرنے والا ہے صبح کا اور اس نے رات سکون کی چیز بنائی۔"

۳۔ لا یغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد متاع قلیل (ال عمران ۱۹۷)

"ملک میں کافروں کی چلت پھرت تمہیں کسی مغالطہ میں نہ ڈالے۔ (یہ چلت پھرت) چند دن کی چاندنی ہے۔"

۴۔ وما ادرک ما الحطمۃ نار اللہ الموقدۃ (ھمزہ ۵)

"تم کیا جانو حطمہ کیا ہے۔ (یہ حطمہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔"

۵۔ حضرت موسیٰ کے قصہ میں ہے کہ جب ملکہ نے ٹوکری کو دریا سے نکلوایا تو اس کے اندر ایک موہنا بچہ پاکر بے حد خوش ہوئی اور فرعون سے مخاطب ہوئی۔ فرمایا۔

وقالت امرات فرعون قرۃ عین لی ولک (قصص ۹)

"اور فرعون کی بیوی نے کہا (یہ بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔"

مندرجہ بالا تمام آیات میں مبتدا حذف ہے جس کا تعین موقع و محل سے ہو جاتا ہے۔ ترجمہ کے اندر

قوسین میں اس کو کھول دیا گیا ہے۔

۶۔ جنت کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اکلھا دائم و ظلھا (رعد ۳۵)

"اس کا پھل بھی دائمی اور اس کا سایہ بھی (دائمی ہو گا)"

۷۔ اسی طرح متقیوں کو جنت میں حاصل ہونے والی نعمتوں کے تذکرہ کے بعد فرمایا

ھذا وان للطغین لشر ماٰب (ص ۵۵)

"یہ نعمتیں (تو متقیوں کے لئے ہوں گی) اور سرکشوں کے لئے نہایت برا ٹھکانہ ہو گا۔"

۸۔ حضرت موسیٰ کے قصہ میں جادوگروں کو ایمان لانے پر قتل کی دھمکی کا بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد ہے

قالوا لا ضیر انا الی ربنا منقلبون (شعراء ۵۰)

"انہوں نے جواب دیا (ہمیں قتل کا) کوئی ڈر نہیں۔ ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹیں گے۔"

مذکورہ تین مثالوں میں خبر محذوف ہے جو موقع و محل سے باآسانی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس کو قوسین میں کھول دیا گیا ہے۔

۹۔ ان الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الذی جعلنہ سواء العاکف فیہ والباد (حج ۲۵)

"بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے اور اس مسجد حرام سے جس کو ہم نے لوگوں کے لئے یکساں بنایا، خواہ وہ اس کے شہری ہوں یا آفاقی روکتے ہیں (تو انہوں نے بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا۔)"

اس جملہ میں خبر ایک طویل جملہ پر مشتمل ہے۔ اس طرح کے حذف کو سیاق و سباق پر اچھی طرح غور کر کے متعین کرنا پڑتا ہے۔ غور کے بغیر جملہ کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔

۱۰ حضرت ابراہیم کے ذکر میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس کچھ اجنبی بطور مہمان آئے اور ان کو سلام کیا۔ اس کے بعد آتا ہے۔

قال سلام قوم منکرون (ذاریات ۲۵)

"ابراہیم نے کہا (تم پر بھی) سلام ہو۔ پھر سوچا (یہ مہمان) اجنبی لوگ ہیں۔" اس آیت کے واضح طور پر دو حصے ہیں۔ پہلے میں خبر محذوف ہے اور دوسرے میں مبتدا کو حذف کر دیا گیا ہے۔

بسا اوقات آیات میں کوئی جملہ ایسا بھی آ گیا ہے جس کو مبتدائے محذوف کی خبر بھی قرار دے سکتے ہیں اور خبر محذوف کا مبتدا بھی۔ دونوں صورتوں میں کلام کے مدعا میں کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۱۔ منافقین کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ قسمیں کھا کھا کر تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ تمہارے ہمراہ ضرور جنگ کے لئے نکلیں گے۔ پھر فرمایا

قل لا تقسموا طاعۃ معروفۃ (نور ۵۳)

"ان سے کہو قسمیں مت کھاؤ۔ دستور کے مطابق اطاعت (مطلوب ہے)۔"

بعد کے جملے کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ "صحیح طریقہ دستور کے مطابق اطاعت کرنا ہے۔" اس طرح طاعۃ معروفۃ میں مبتدا بننے کی صلاحیت بھی ہے اور خبر بننے کی بھی۔

۱۲۔ برادران یوسف نے جب اپنے والد ماجد کو یوسف کے قتل ہو جانے کی کہانی سنائی تو انہوں نے فرمایا

بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل (یوسف ۱۸)

"یہ تو تمہارے جی کی گھڑی ہوئی ایک بات ہے تو (میرا شیوہ) صبر جمیل ہے۔"

آیت کے آخری حصہ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے تو صبر جمیل (بہتر عمل) ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم میں زیادہ فرق واقع نہیں ہوتا۔

مقالات
خالد مسعود

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی کارروائیاں

اسلام کے تصور جنگ کے مطابق ایک صحیح اور باجواز جنگ وہ ہے جو فی سبیل اللہ لڑی جائے' اس کا مقصد اللہ کے دین کو غالب کرنا اور اس کے ماننے والوں کو کفار کے ظلم و تعدی سے بچانا ہو یا مسلمانوں پر حملہ کیا گیا ہو اور وہ اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ اس ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جنگی کارروائیوں کا جائزہ لینے اور یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ان میں مذکورہ مقاصد جنگ کو ہی ملحوظ رکھا گیا تھا۔ اس بارے میں بے حد افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ ہمارے بعض کرمفرما اپنا سارا زور قلم یہ کہنے پر صرف کرتے ہیں کہ اسلام صلح و آشتی کا مذہب ہے اس کو جنگ و جدل سے کیا تعلق! لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کبھی تلوار اٹھائی تو وہ محض اپنے دفاع میں اٹھائی ہے' آپؐ کے تمام غزوات دفاعی لڑائیاں ہیں جو قریش نے مسلمانوں پر مسلط کر دی تھیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضورؐ کو ہتھیار اٹھانے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ دوسری طرف ہمارے دشمنوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں نے رہزنی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ وہ معروف گزرگاہوں پر قریش کے تجارتی قافلوں کی تاک میں رہتے اور حملہ آور ہو کر ان کا مال لوٹتے۔ اس کے جواب میں قریش کو مجبوراً ان کو سبق سکھانے کے لیے مدینہ پر حملہ آور ہونا پڑتا۔ اگر مسلمان چین کے ساتھ مدینہ میں رہتے تو قریش کو ان کے ساتھ کوئی وجہ مخاصمت نہ تھی۔ یہ دونوں موقف قرآن سے ثابت ہوتے ہیں نہ ان واقعات سے جن کو قدیم سیرت نگاروں نے قلمبند کیا ہے۔

قتال کا نقطہ آغاز۔ ہجرت

بالعموم اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے اور یہ صحیح بھی ہے کہ ہجرت سے پہلے اہل ایمان کو قتال کی اجازت نہیں تھی۔ مشرکین کے ظلم و تعدی کے ستائے ہوئے مسلمان اگر ہتھیار اٹھانے کا مطالبہ

کرتے تو ان کو ہاتھ روکنے' کثرت سے ذکر الٰہی کرنے' صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے اور خدا پر توکل کرنے کی ہدایت کی جاتی۔ پہلی مرتبہ قتال کی اجازت سورہ حج میں دی گئی جو قبیل ہجرت میں نازل ہونے والی سورہ ہے اور اس کے بعد نہ صرف یہ کہ قتال کا حکم بار بار نہایت دو ٹوک انداز میں دیا جاتا رہا بلکہ ان مسلمانوں پر سخت گرفت بھی ہوتی جن سے جنگ کے کسی معاملہ میں کوتاہی سرزد ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات میں تغیر کا سب سے بڑا عامل رسولؐ اللہ کی ہجرت تھی۔ حضورؐ کے زمانہ کی جنگی کارروائیوں کے دیباچہ کی حیثیت سے ہجرت کی نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہجرت کو بھی اسی طرح کی نقل مکانی قرار دیا جا رہا ہے جس طرح کی نقل مکانی لوگ تعلیم حاصل کرنے یا کسب معاش کے لیے کرتے ہیں لیکن یہ بات جاننی چاہئے کہ ہجرت اس نوع کی نقل مکانی ہرگز نہیں تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کا مرکز اپنی مرضی اور خوشی سے مکہ سے مدینہ کو منتقل فرما رہے تھے جہاں کی آب و ہوا زیادہ صحت بخش تھی یا اس شہر کو مکہ سے زیادہ مرکزیت حاصل تھی اور یہاں آپؐ کی دعوت کے پھیلنے کے امکانات زیادہ تھے یا آپؐ کے ساتھی زیادہ خوشحال زندگی کی جستجو میں وہاں جانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ہجرت کوئی آسان بازی بھی نہ تھی جو نئے مذہب کے پیروؤں نے کھیلنے میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس کے برعکس ہجرت کرنا دین کی خاطر اپنے کنبہ' قبیلہ' مادر وطن اور املاک کو تج دینے اور اپنے آپ کو نہایت پر خطر حالات کے حوالے کر دینے کے مترادف تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ رؤسائے مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اس قدر مخالف ہو گئے تھے کہ اس کا نام سننا بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ وہ مسلمان ہو جانے والے ہر شخص پر شدید ظلم و ستم روا رکھتے۔ خدا کا نام لینے پر انتہائی وحشیانہ سزائیں دیتے جن سے معاشرے کے غلام تو کیا' آزاد خاندانی لوگ بھی محفوظ نہ تھے۔ آنے والا ہر دن مسلمانوں کی آزمائشوں میں مزید اضافہ کر دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا جہاں کے حکمران کی عدل گستری کی شہرت تھی اور آخری مرحلہ میں یثرب (مدینہ) کو دارالہجرت قرار دیا جہاں کے دو بڑے قبیلوں — اوس اور خزرج — میں معتدبہ تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

قرآن مجید نے ہجرت کو جن الفاظ سے تعبیر کیا ہے ان میں کفار کی تعدی اور اہل اسلام کو زبردستی بے گھر کرنے اور وطن چھوڑنے پر مجبور کرنے کا بطور خاص ذکر ہے:

اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (حج - ۴۰)

"وہ اپنے گھروں سے ناحق محض اس جرم میں نکالے گئے کہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اللہ ہمارا رب ہے۔"

فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی (ال عمران ١٩٥)

"سو جنھوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے۔"

یہ سلوک معاشرے کے بہترین آدمیوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ قریش کے ایک اہم فرد اور مکہ کے متمول لوگوں میں سے تھے۔ وہ بھی حالات سے گھبرا کر حبشہ کو روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کی ملاقات اپنے ایک دوست ابن الدغنہ سے ہوئی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ کو روکا اور ہجرت کا سبب معلوم کر کے اپنے ہمراہ واپس مکہ لایا۔ اس نے قریش کو غیرت دلائی اور کہا کہ "ابوبکر جیسے لوگ نہ خود وطن چھوڑا کرتے ہیں اور نہ ایسے لوگوں کو گھروں سے نکالا جاتا ہے۔ کیا تم ایک ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو مسکین کو مدد دیتا، صلہ رحمی کرتا، دوسروں کا بوجھ اٹھاتا، مہمان کی ضیافت کرتا اور حق ادا کرنے میں مدد دیتا ہے۔" یہ ایک ایسی حقیقت کا بیان تھا جس کا انکار قریش کے لیے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ابن الدغنہ نے اعلان کیا کہ میں ابوبکر کا ذمہ اٹھاتا ہوں، اب وہ میری پناہ میں ہوں گے۔

جو لوگ بروقت ہجرت نہ کر سکے ان کے اوپر مشرکین نے عرصہ حیات اس قدر تنگ کر رکھا تھا کہ وہ یہ دعا کرتے کہ **ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا** (نساء ٧٥)

"اے ہمارے رب ہمیں اس ظالم باشندوں کی بستی سے نکال اور ہمارے لیے اپنے پاس سے ہمدرد پیدا کر اور ہمارے لیے اپنے پاس سے مددگار کھڑے کر۔"

اس دعا کے الفاظ ہی سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ ظالم کفار نے اسلام کے نام لیواؤں پر خود ان کے وطن کی زمین اس قدر تنگ کر دی تھی کہ اس کے در و دیوار ان کو کاٹنے کھانے جا رہے تھے۔ وہ اس سے اتنے بیزار تھے کہ اپنی بستی ان کو ظالموں کی بستی نظر آتی تھی اور حالات اتنے مایوس کن تھے کہ مظلوم مسلمانوں کو بظاہر نجات کی کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی۔ انھیں سارا بھروسہ صرف اللہ پر تھا کہ وہی غیب سے مدد کا کوئی دروازہ کھولے تو کھولے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں یہ دعا مانگنے والے صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں اور بچے بھی تھے جن کو ظلم کا نشانہ بنانے سے انسان کا اجتماعی ضمیر ہمیشہ نفرت کرتا رہا ہے۔

مہاجرین کے لیے یہ بات عملاً ناممکن تھی کہ وہ اپنے قبیلہ کی اشیر باد لے کر اپنی دولت لیے ہوئے وطن چھوڑیں۔ وہ اپنی تمام املاک چھوڑ کر نہایت غربت اور بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ پہنچے۔ ان کی آبادکاری آسان نہ تھی۔ یہ تو انصار کا ایثار و قربانی کا جذبہ تھا جس نے مہاجرین کی ایک کثیر تعداد کو اپنی شفقت میں لے لیا اور ان کو گھر کا سا آرام بہم پہنچایا۔ ورنہ مشرکین تو مسلمانوں کو اس حال میں

گھروں سے نکالتے کہ ہجرت کر کے آنے والوں کے پاس صرف اخلاص و ایمان ہی کی متاع محفوظ ہوتی۔ یہ اس ہجرت کی ایک جھلک ہے جس کو ہمارے دشمن ایک ایسی نقل مکانی کا نام دیتے ہیں جو خود مسلمانوں نے اپنی سہولت کے لیے اختیار کر لی۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نقصان پہنچانے کے لیے قریش نے جو سازشیں کیں ان کے مقاصد قرآن کے الفاظ میں **لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک** (تمھیں قید کر لیں یا قتل کر دیں یا شہر سے نکال باہر کریں) تھے۔ دار الندوہ میں بحث کے بعد جس تجویز پر اتفاق رائے پایا گیا وہ قتل کی تجویز تھی۔ چنانچہ اسی پر عمل درآمد کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابگاہ کا محاصرہ کیا گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بحفاظت وہاں سے نکال لیا تو حضورؐ کے سر کی قیمت لگا کر ہر طرف خونخوار سواروں کو دوڑایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں یثرب پہنچ گئے ورنہ قریش نے تو اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ حضورؐ نے مکہ برضا و رغبت نہیں چھوڑا بلکہ آپؐ کو شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ آپؐ نے تو فتح مکہ کے دن بھی بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا "اے مکہ، تو کتنا پاکیزہ اور مجھے کتنا محبوب ہے۔ اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نکال نہ دیا ہوتا تو میں تیرے سوا کسی دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔" اس جملے سے بھی حضورؐ کی ہجرت کے اسباب واضح ہو رہے ہیں۔

وہ قریش جنھوں نے حق کی مخالفت میں یہ سرگرمی دکھائی تھی یکایک اتنے رحم دل نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ نچلے بیٹھ جاتے، مدینہ میں اسلام کے جمتے ہوئے قدموں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرتے۔ انھوں نے یثرب کے سردار عبداللہ بن ابی کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا کہ "تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم خود اس کے ساتھ جنگ کرو یا اس کو نکال باہر کرو ورنہ ہم اپنی پوری قوت کے ساتھ تم پر چڑھائی کریں گے۔ تمھارے قابل جنگ مردوں کو قتل کریں گے اور تمھاری عورتوں کو اپنے لیے حلال کر لیں گے۔" مستشرقین کا معیار تحقیق یہ ہے کہ ان کے نزدیک جن قریش نے یہ مکتوب لکھا ان کے اندر مسلمانوں کی ہجرت کے بعد ان کے لیے کوئی وجہ مخاصمت موجود نہ تھی اور ہر زیادتی یا جنگوں کا سلسلہ چلانے کے ذمہ دار صرف مسلمان تھے۔

ہجرت کے بارے میں سنت الٰہی:

ہجرت کا سبب تو کفار کا مسلمانوں کے ساتھ عناد اور ان کی حق دشمنی ہوتی ہے لیکن اس کے نتائج ظاہر ہونے کے لیے اللہ کا ایک قانون موجود ہے جو ہمارے اہل تحقیق کی نظروں سے بالعموم اوجھل رہتا

ہے۔ یہ معلوم ہے کہ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، اصحاب مدین، قوم لوط، آل فرعون وغیرہ سب نے اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ جب ان کے تمام باصلاحیت لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسولوں کے ہمراہ اہل ایمان نے ہجرت کی جس کے بعد کفر پر قائم رہنے والوں کو اللہ کے عذاب نے آلیا جس کے نتیجہ میں رسولوں کے مکذبین کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے۔ آپؐ کی بعثتِ خاص بنی اسماعیل کی طرف ہوئی تھی اور قریش آپؐ کے اولین مخاطب تھے۔ قریش عرب میں دین ابراہیمی کے وارث سمجھے جاتے تھے اور اسی حوالے سے وہ خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ اس عبادت گاہ اور خدا کی توحید کے اس عظیم مرکز کی حرمت کو سخت بٹہ لگایا اور اس کو شرک کا مرکز بنا دیا تھا۔ طواف اور نماز کی عبادات کا انہوں نے اس طرح حلیہ بگاڑا کہ وہ مضحکہ خیز رسوم بن کر رہ گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ تبلیغ کے نتیجہ میں اہل مکہ کی ایک معتدبہ تعداد مسلمان ہو گئی لیکن یہ تبلیغ قریشی سرداروں کو راہ راست پر نہ لا سکی۔ وہ نہ صرف اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے بلکہ اپنے زور و اثر کو انہوں نے اسلام لانے والوں پر ظلم و ستم ڈھانے میں استعمال کیا جس کے بعد اہل ایمان کے لیے ہجرت ناگزیر ہو گئی۔ اللہ کے قانون کے تحت اس کے بعد اہل مکہ پر عذاب نازل ہونا چاہئے تھا لیکن ہمیں یہ عذاب نازل ہوتا ہوا کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ قریش کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی وہ سنت بدل گئی ہو جو سابق رسولوں کی قوموں کے معاملہ میں ظاہر ہوئی البتہ اگر ان پر عذاب نازل نہیں ہوا تو اس کے خاص اسباب ہیں جن کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ہجرت کا ایک پہلو یہ ہے کہ ایک طرف قریش نے اہل ایمان کو شہر سے نکالنے میں خاص سرگرمی دکھائی لیکن دوسری طرف ان کو زچ کرنے اور دکھ دینے کی غرض سے ان کے بعض اعزہ کو مکہ میں روک بھی لیا۔ مثال کے طور پر ابو سلمہؓ ہجرت کر گئے لیکن ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ کو مکہ میں روک لیا گیا اور پھر ان کو دکھ دینے کے لیے ان کا بچہ بھی ان سے چھین لیا گیا۔ حضرت ام سلمہؓ کو یہ ظلم سال بھر سہنا پڑا جس کے بعد کسی نے ان پر ترس کھا کر بچہ واپس دلوایا اور ان کو مدینہ بھجوایا۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی حضرت زینبؓ کو ہجرت نہیں کرنے دی گئی۔ ان کے شوہر ابو العاص بن ربیع جنگ بدر میں اسیر ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس شرط پر رہا کیا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینہ آنے دیں گے۔ جنگ بدر کے بعد دوسرے مہینے جب وہ مکہ سے روانہ ہوئیں تو کچھ شرارتی لوگوں کو پیچھے لگا دیا گیا جن کی دہشت گردی کے باعث آپ بیمار پڑ گئیں اور آپ کو واپس مکہ لے جایا گیا۔ قریشی سرداروں نے ان کے علانیہ مدینہ روانہ ہونے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور بعد میں ان کو چوری چھپے

مکہ سے نکلنا پڑا۔ ابو جہل کے چچا زاد بھائی حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ حضرت عمرؓ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تھے کہ ابو جہل نے مدینہ جا کر ان کی والدہ کی بیماری کی جھوٹی کہانی سنائی اور ان کو اس سے ملنے پر آمادہ کیا۔ حضرت عیاشؓ ماں کی محبت میں ابو جہل کے ساتھ ہو لیے لیکن اصل میں یہ اسکیم ان کو قیدی بنا کر مزید ظلم کا نشانہ بنانے کے لیے تھی۔ وہ ایک غیر آباد مکان میں عرصہ تک قید رکھے گئے۔

مکہ میں کتنے ایسے لوگ ابھی باقی تھے جو حضورؐ کی دعوت سے متاثر تھے لیکن مشکلات کے باعث ہجرت کا حوصلہ نہ کر سکے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ بعد میں مدینہ پہنچے۔ مثلاً شوال سن ۱ھ میں قریش نے ایک لشکر جحفہ کی جانب بھیجا تو صحابہؓ کی ایک پارٹی بھی حضرت عبیدہؓ بن الحارث کے تحت وہاں آئی ہوئی تھی۔ قریش کے لشکر میں سے حضرت مقدادؓ بن عمرو اور حضرت عتبہؓ بن غزوان نے موقع غنیمت جانا اور مسلمانوں سے جا ملے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے لیکن ہجرت نہیں کر پائے تھے۔ سریہ عبد اللہ بن جحش کی مہم میں مکہ کے دو آدمی گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے تو ان میں سے حضرت حکمؓ بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ دل سے اس دین کی حقانیت کے پہلے سے قائل ہو چکے تھے۔ اور اب ان کو اعلان کا مناسب موقع ملا تھا۔ خود میدان بدر میں جب حضورؐ نے قریش کے لشکر پر نظر ڈالی تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ میں نے ان میں سے بعض چہروں سے یہ پہچانا ہے کہ یہ لوگ مجبور کر کے ہمارے مقابلہ میں لائے گئے ہیں۔ بعد کے دور میں بھی اہل مکہ برابر مسلمان ہو ہو کر مدینہ آتے اور اسلام کی قوت بڑھانے کا ذریعہ بنتے رہے۔ ان اشارات سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ میں ابھی صلاحیت ایمان موجود تھی۔ یہ ان کے سرداروں کا بہیمانہ سلوک تھا جو لوگوں کے قبول اسلام میں مانع تھا اور جس نے اہل ایمان کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے فوراً بعد اگر اہل مکہ پر وہی عذاب آ جاتا جو سابق رسولوں کی قوموں پر آیا تھا تو بیشمار مسلمان اور ایمان کی صلاحیت رکھنے والے کفار بھی اس کا لقمہ بن جاتے۔ یہ صورت حال سنت الٰہی کے خلاف ہوتی۔

ہجرت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ نئی جگہ پر مسلمانوں کی تمام تر قوت کو مجتمع ہونے کا موقع ملا اور اس علاقے کے لوگ حضورؐ کی دعوت کے معاملہ میں زیادہ آزادی سے رائے قائم کرنے اور قبول کرنے کی صورت میں اس کا ساتھ دینے کے قابل تھے۔ ان سازگار حالات میں دعوت زیادہ تیزی سے پھیلی اور جلد ہی مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن مستحکم ہو گئی۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کے ایک ایسی قوت بننے کا امکان پیدا ہو گیا جو قریش کے ساتھ ٹکرا کر ان کے سر غرور کو کچل سکے۔

یہ تھے وہ عوامل جن کے باعث تکذیب رسول کے باوجود قریش کو اس نوع کا عذاب نہیں دیا گیا جو سابقہ امتوں کو دیا گیا تھا بلکہ اس کی شکل یہ اختیار کی گئی کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو دین کی نصرت

کے لیے قتال کا حکم دیا گیا اور ان پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ یہ قتال اس وقت تک جاری رکھا جائے گا جب تک دین اسلام عرب کے تمام ادیان پر غالب نہیں آ جاتا۔ اس قتال میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و معیت کا خاص طور پر وعدہ فرمایا گیا۔ قتال کے ذریعے عذاب کی یہ شکل قریش کے متکبرین اور متمردین کا قلع قمع کرنے والی اور اپنے اندر دوسرے مخالفین کے لیے تنبیہہ اور عبرت کا سامان رکھنے والی تھی۔ قریش جو اپنے طور پر مطمئن تھے کہ وہ اپنے اندر سے مسلمانوں کو نکال کر اہم کامیابی حاصل کر چکے ہیں' اب وہ ایسی تدبیریں کرنے لگے جن سے مسلمانوں کی قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ ان تدبیروں کے مقابلہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے اقدامات کیے جن سے قریش کی اسکیموں کا توڑ کیا جا سکتا تھا۔ اب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقدامات کا جائزہ لیتے ہیں جو آپؐ نے قریش کے خطرہ کو دیکھتے ہوئے کیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاطی تدابیر

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے اطراف میں برابر اپنے مخبر بھیجتے رہتے۔ اگر کسی جانب سے کوئی ایسی اطلاع موصول ہوتی جس میں دشمن کی آمد کا پتہ چلتا تو آپ راتوں کو جاگ کر پہرہ کا انتظام کرتے تاکہ دشمن بے خبری میں حملہ کر کے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس کے باوجود ہجرت کے ایک سال بعد مکہ کے کرز بن جابر فہری نے اہل مدینہ کی ایک چراگاہ پر جو شہر سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھی' حملہ کیا اور کئی جانوروں کو ہانک کر لے گیا۔ آنحضرتؐ نے اس کا تعاقب کیا لیکن اس کو پا نہ سکے۔

۲۔ حضورؐ نے مدینہ اور اطراف مدینہ کے تمام باشندوں' جن میں یہود کے قبائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں' کے ساتھ وہ معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے۔ اس میں بطور خاص حسب ذیل شرائط رکھی گئیں۔

(الف) کوئی شخص قریش مکہ اور ان کے کسی حلیف کو پناہ نہیں دے گا۔

(ب) اگر یثرب پر کوئی حملہ ہوا تو مسلمان اور یہود مل کر دفاع کریں گے۔

(ج) اگر مسلمان کسی سے صلح کریں گے تو یہود بھی اس صلح کے پابند ہوں گے اور اگر یہود کسی سے صلح کریں گے تو مسلمانوں پر بھی لازم ہو گا کہ یہود کے ساتھ ایسا ہی تعاون کریں۔ البتہ کسی فریق کی مذہبی جنگ دوسرے فریق پر تعاون کی ذمہ داری عائد نہ ہو گی۔

(د) اگر کسی فریق یا جماعت کو کسی جنگی ضرورت سے مدینہ سے باہر جانا پڑا تو وہ امن و حفاظت کا حق رکھے گی اور جو مدینہ میں رہے گا اس کے لئے بھی امن ہو گا۔ نہ کسی پر ظلم کیا جائے گا اور نہ کسی کے لئے عہد شکنی جائز ہو گی۔

معاہدہ کی ان شقوں پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی مخاصمت اور اس کے نتیجہ میں ان کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا اندیشہ تھا۔ آپ نے یہود قبائل کو بھی فریق معاہدہ بنایا تاکہ وہ قریش کے آلہ کار بن کر مار آستین ثابت نہ ہوں۔

۳۔ مکہ کے راستے میں پڑنے والے قبائل کے ساتھ آپ نے حلیفانہ معاہدے کر لئے۔ ان قبائل میں جہنیہ' بنو ضمرہ اور بنو مدلج شامل ہیں۔ یہ قبائل پہلے مدینہ کے قبائل اوس و خزرج کے حلیف تھے۔ اہل مدینہ میں اسلام کے نفوذ نے ان قبائل کے ساتھ معاہدات کی راہ ہموار کر دی جن میں حسب ذیل شقیں رکھی گئیں۔

الف۔ اہل قبیلہ کا جان و مال محفوظ و مامون ہو گا۔

ب۔ ان پر اگر کوئی زیادتی کرے گا یا حملہ آور ہو گا تو اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی۔

ج۔ جو زیادتی یا جنگ ان کے اپنے لوگوں کے درمیان یا ان کے مذہبی معاملات سے متعلق ہو گی اس میں امداد دینا لازم نہ ہو گا۔

مذکورہ تینوں قبائل کے ساتھ یہ معاہدے ہجرت کے پہلے سال کے دوران غزوہ بدر سے کئی ماہ پہلے طے پائے۔ ان کی تکمیل کے لئے حضورؐ صحابہ کی ڈیڑھ دو سو تعداد کے ساتھ ان قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ اگرچہ بعض راوی یہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر سے قبل کسی مہم میں انصار شامل نہیں تھے۔ لیکن حضورؐ کی ان مہمات کی تعداد اور اوس و خزرج کی ان قبائل کے ساتھ نوعیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انصار ان مہمات میں حضورؐ کے ساتھ رہے ہوں۔ سیرت نگاروں نے ان سفروں کو غزوہ کا نام دیا ہے اور یہ غزوہ بواط' غزوہ ابوا اور غزوہ ذوالعشیرہ کے نام سے موسوم ہیں حالانکہ نہ ان کے لئے وہ تیاری کی گئی جو کسی جنگی مہم کے لئے ضروری ہوتی ہے اور نہ حضورؐ نے ان میں کوئی جنگی اقدام کیا۔ جب آپ بواط پہنچے تو قریش کا ایک تجارتی کاروان امیہ بن خلف کی سربراہی میں وہاں سے گزر رہا تھا۔ اسی طرح جب ذوالعشیرہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ کچھ ہی پہلے ایک قریشی کاروان ابو سفیان کی سربراہی میں وہاں سے گزرا ہے۔ مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں نے رہزنی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ اگر یہ بات تھی تو آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مواقع سے کیوں فائدہ نہ اٹھایا جبکہ آپ کے ہمراہ جاں نثاروں کی اچھی خاصی تعداد اس مقصد کے لئے بڑی کامیابی سے کارروائی کر سکتی تھی۔ تجارتی کاروانوں کو پالینا اور پھر ان پر ہاتھ نہ اٹھانا تو یہ ثابت کرتا ہے جیسے یہ

واقعات اس الزام کی تردید ہی کے لئے پیش آئے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں سفر سیاسی نوعیت کے تھے۔ جن میں ایسے قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کرنا مقصود تھا جن کے علاقے قریش کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی صورت میں پڑتے تھے۔ اگر یہ بات فرض کرلی جائے کہ حضورؐ قریش کے تجارتی کاروانوں کی نقل و حرکت سے باخبر رہتے تھے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ قبائل کے ساتھ معاہدہ کے لئے حضورؐ نے وقت کا جو انتخاب کیا اس سے قریش کو اپنی بیداری کا احساس دلانا اور مسلمانوں کی قوت سے مرعوب کرنا بھی مقصود تھا۔ ان سفروں میں صحابہ کی بڑی بڑی جمیعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کا ایک مقصد ان کو علاقہ سے واقف کرانا اور آئندہ مراحل میں پیش آنے والے جنگی سفروں کے لئے تربیت دینا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ وہی مقصد ہے جس کے لئے آج فوجی مشقیں کی جاتی ہیں۔

۳۔ غزوہ بدر سے پہلے حضورؐ نے وقتاً" فوقتاً" صحابہ کی مختصر پارٹیوں کو بھی مختلف جہات میں بھیجا۔ ان مہمات کو سریہ کا نام دیا گیا ہے۔

ہجرت کے ساتویں ماہ آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں تیس افراد کی ایک پارٹی ساحل سمندر کی طرف قبیلہ جہنیہ کے علاقہ میں روانہ کی۔ وہاں اس کا سامنا قریش کے تین سو سواروں کے ساتھ ہوگیا۔ اس بات کا امکان پیدا ہوگیا کہ دونوں فریقوں میں تلوار چل جائے مگر جہنیہ کے سردار مجدی بن عمرو نے بیچ بچاؤ کرادیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو آپ نے مجدی کی کوششوں کی تحسین فرمائی۔ اس موقع پر تین سو سواروں پر مشتمل قریشی دستے کا مقصد سیاسی یا فوجی تو ہوسکتا ہے' تجارتی نہیں ہوسکتا۔ نیز سریہ کا مقصد اگر قریش کے ساتھ چھیڑ خانی ہوتا تو حضورؐ مجدی کی کوششوں کی تعریف نہ کرتے۔

شوال ۱ھ میں حضورؐ نے ساٹھ افراد کی ایک پارٹی اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبیدہؓ بن الحارث کے تحت عفہ کی جانب بھیجی جو مکہ اور بدر کے درمیان ایک مقام ہے۔ اس کا سامنا قریش کے ایک لشکر سے ہوا جو دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ قریش کی بڑی تعداد یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ کسی تجارتی مقصد سے سفر نہیں کررہے تھے ورنہ اتنی نفری نہ ہوتی۔ تجارتی قافلوں میں بالعموم باربرداری کے جانور زیادہ ہوتے اور ساتھ چالیس پچاس افراد پر مشتمل محافظوں کا دستہ چلا کرتا تھا۔

ذی قعدہ ۱ھ میں بیس صحابہ پر مشتمل ایک جماعت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی کمان میں جحفہ کے قریب خرار کے مقام تک آئی اور پھر واپس مدینہ چلی گئی۔

ان مہمات کا مقصد اگر تجارتی قافلوں کو لوٹنا ہوتا' جیسا کہ مورخین الزام دیتے ہیں' تو آخر اس طرح کی کوئی ایک کارروائی تو سامنے آتی۔ صحابہ کیسے رہزن تھے کہ اتنے طویل سفر کرتے' قریش سے سامنا بھی ہوجاتا پھر بھی ان پر ہاتھ نہ اٹھاتے۔ اصل میں ان مہمات کا مقصد رہزنی تھا ہی نہیں۔ یہ مہمات قریش کی شرارتوں کا

کھوج لگانے' اور ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے تھیں۔ نیز قریش کو یہ پیغام دینا مقصود تھا کہ مسلمان اپنے دفاع میں غافل نہیں ہیں۔

سریہ عبداللہ بن جحشؓ

رجب ۲ھ میں پہلا سریہ ایسا پیش آیا جس میں کشت و خون ہوا۔ اس سریہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو مقرر کیا جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کے تحت آٹھ مہاجرین تھے۔ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ حرم مکہ کی حدود کے باہر شمال مشرق میں واقع مقام نخلہ میں کیمپ لگائیں اور قریش کے بارے میں اطلاعات فراہم کریں۔ انہوں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ اتفاق سے طائف کی طرف آنے والے قریش کے ایک مختصر تجارتی قافلہ نے بے خبری میں عین ان کے قریب پڑاؤ کیا۔ صورت حال ایسی پیش آئی کہ دونوں جانب سے ہتھیاروں کا استعمال ہوا جس کے نتیجہ میں قریشی قافلے کا سربراہ عمرو بن الحضرمی' جو رئیس مکہ حرب بن امیہ کے حلیف عبداللہ الحضرمی کا بیٹا تھا' قتل ہوگیا۔ اور دو نوجوان عثمان بن عبداللہ بن المغیرہ (خالد بن ولید کا چچا زاد بھائی) اور الحکم بن کیسان گرفتار کرلئے گئے۔ عثمان کا بھائی نوفل مکہ کو بھاگ گیا اور قریش کو اس حادثہ کی خبر کی۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ دو اسیروں اور مال غنیمت کو لئے ہوئے مدینہ جا پہنچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کارروائی پر کبیدہ خاطر ہوئے کیونکہ یہ کارروائی تفویض کردہ کام کی حدود سے باہر تھی۔

اس سریہ کے واقعات نے مستشرقین کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع دیا ہے کیونکہ اسی مہم میں وہ صحابہ کو رہزنی کے الزام میں ملوث کرنے کی واحد دلیل پاتے ہیں۔ اور ثابت کرتے ہیں کہ مال لوٹنے کی اسی طمع نے آگے چل کر جنگ بدر کے اسباب فراہم کیے۔ ہمارے نزدیک اس سریہ کا مقصد خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کردیا تھا کہ گھات لگا کر قریش کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں۔ جیتے جی کوئی مسلمان حضورؐ کی ان ہدایات کی خلاف ورزی کی جسارت نہ کرسکتا تھا۔ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ مدینہ میں اپنے مستقر سے سینکڑوں میل دور اپنے دشمن کے مرکز کے بالکل قریب گنتی کے چند مسلمان قافلے کو لوٹنے کا خطرہ کبھی مول نہ لے سکتے تھے۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ مسلمانوں کی پارٹی جن افراد پر مشتمل تھی یہ مکہ والوں کے قرابت دار تھے۔ مشرکین کے لئے ان کی شکلیں اجنبی تھیں نہ ان کے خیالات و عقائد کے بارے میں کوئی غلط فہمی تھی۔ لہٰذا زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ اول تو مشرکین نے اپنی طاقت اور قرب مکہ کے زعم میں ان مسلمانوں کے ساتھ جھڑپ لے لی ہوگی جس میں وہ اپنا نقصان کرا بیٹھے۔ یا پھر مسلمانوں نے اپنی مخبری ہوجانے کے باعث اپنے لئے خطرہ محسوس کیا اور اہل قافلہ پر حملہ کرکے قریش کو اطلاع ہونے کا امکان ختم کرنا چاہا۔ بہرحال اس جھڑپ کے اسباب کچھ بھی رہے ہوں نتائج کے اعتبار سے یہ نہایت اہم رہی۔

اہل مکہ کے ساتھ جھڑپ کا یہ واقعہ رجب کی آخری تاریخ کو پیش آیا۔ ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق تحویل قبلہ کا حکم بھی رجب ہی میں نازل ہوا تھا۔ اس حکم میں خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا گیا اور متنبہ کیا گیا تھا کہ اس اعلان کے بعد ان کی مشکلات میں اضافہ ہوگا۔ حالات ان سے بڑی قربانیوں کا تقاضا کریں گے اور خدا کے گھر کو مشرکوں کے قبضہ سے چھڑانے کے لئے جنگیں ناگزیر ہوں گی۔ عین ممکن ہے کہ قبلہ کے بارے میں اس اعلان سے پیدا شدہ صورت حال پر قریش کا رد عمل معلوم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سریہ عبداللہ بن جحش کے شرکاء کو حرم مکہ کے بالکل پاس جا کر کیمپ لگانے کا حکم دیا ہو۔ وہ ابھی اس کا انتظام کر ہی رہے ہوں کہ دشمن کے ایک تجارتی قافلہ کی اچانک آمد نے ان کو ایک مختلف صورت حال سے دوچار کر دیا ہو اور وہ واقعات پیش آئے ہوں جن کا تذکرہ اوپر ہوا۔

بقیہ : ایمان کے تقاضے

میں بھی تہجد کی نماز اصل ہے اور اس کی عظمت اور قدر و قیمت الگ ہے۔ نماز تراویح کو فقہا نے جو اہمیت دی ہے وہ صحیح نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اس پر اعتراض ہے۔ تراویح پڑھنا دین کے خلاف نہیں۔ جو لوگ تہجد کا اہتمام نہیں کر سکتے ان کے لئے قیام رمضان کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسی حکمت سے اس کو جاری رہنے دیا۔

(ترتیب : سعید احمد)

ذکر و فکر

خالد مسعود

واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر

تصنیف : مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

ملنے کا پتہ : الفرقان بک ڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ (انڈیا)

یہ کتاب تاریخ اسلام کے ایک نہایت اختلافی مسئلہ کی حقیقت کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ اس موضوع پر اس سے پہلے برصغیر میں بیسیوں کتابیں تصنیف کی گئی ہیں یہ کتاب ان میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

کتاب کا آغاز حضرت معاویہؓ کی حضرات حسنینؓ کے بارے میں اکرام و عطا کی پالیسی اور ان کے حلم و عفو کے تذکرہ سے ہوتا ہے جس کے تحت انہوں نے ہمیشہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا حضرت حسینؓ کو اہل کوفہ نے 'جو تلون مزاجی' انتشار پسندی اور حکومت کے خلاف باغیانہ جذبات رکھنے کے لئے مشہور تھے' حکومت کے خلاف کسی اقدام پر آمادہ کرنا چاہا لیکن انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کا احترام کیا اور اہل کوفہ کو گھروں میں قرار پکڑنے اور شک و شبہ کا ماحول پیدا کرنے سے باز رہنے کی ہدایت کی۔

حضرت معاویہؓ نے ۵۶ھ میں اپنی ضعیف العمری اور قرب موت کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا کہ اپنے بعد خلافت کی باگ ڈور اپنے بیٹے یزید کے حوالے کرنے کے اقدامات کریں۔ اس سلسلہ میں فاضل مصنف اس روایت کو صحیح قرار نہیں دیتے جس میں یزید کی نامزدگی کی تجویز کا خالق حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو بتایا گیا ہے۔ اولاً" ان کا انتقال ۴۹ یا ۵۰ھ میں ہو چکا تھا" ثانیاً" روایت کی رو سے وہ یہ تجویز اپنی خود غرضی اور نفس پرستی کی بناء پر پیش کرتے نظر آتے ہیں جبکہ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ وہ سو سے زائد روایات بیان کرنے والے جلیل القدر صحابی ہیں جو بیعت رضوان سے مشرف ہوئے اور خلفائے راشدین کے عہد میں بحرین' بصرہ اور کوفہ کے گورنر رہے۔ حضرت معاویہؓ نے یزید کی نامزدگی کا مسئلہ عرب کے مختلف شہروں سے بلائے گئے وفود کے ایک اجلاس میں پیش کیا تھا جنہوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور اس کے بعد صوبائی دارالحکومتوں میں اس مسئلہ پر

بیعت لی گئی۔

حضرت معاویہؓ نے خلافت کے لئے یزید ہی کو کیوں نامزد کیا؟ اس حقیقت کو جاننے کے لئے فاضل مصنف نے شواہد جمع کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یزید کو کاروبار مملکت چلانے کے لئے اہل تر اور اس کے انتخاب کو ملت کی مصلحت کے مطابق سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ منبر پر اپنے خطبہ کے دوران یہ دعا کی کہ "اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی بناء پر ولی عہد بنایا ہے تو اس ولایت کو تو تکمیل تک پہنچا اور اگر میں نے اس کو محبت کی بناء پر ولی عہد بنایا ہے تو پھر تو اس مقصد کو پورا نہ ہونے دے۔" تاہم فاضل مصنف اس تجویز کو مصلحت اندیشی کا بہترین نمونہ نہیں سمجھتے کیونکہ اس سے سابقین کو نظرانداز کر کے متاخرین کو خلافت سونپنے کا آغاز ہو گیا۔ حضرت معاویہ کے ہم عصر معترضین نے اس انتخاب پر یہی اعتراض کیا تھا۔ یزید کی بے اخلاقی' بے قیدی' یا فسق و فجور اس زمانہ میں کبھی موضوع بحث نہیں بنا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کی فسانہ طرازی کا حصہ ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یزید کے زمام اقتدار سنبھالنے پر جب اہل مدینہ نے بیعت کی تو حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو بھی بیعت کے لئے بطور خاص بلوایا گیا۔ انہوں نے گورنر سے غور کرنے کی مہلت لے لی اور اس سے فائدہ اٹھا کر مکہ کو روانہ ہو گئے اہل کوفہ کے مسلسل اصرار پر حضرت حسینؓ نے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا اور خود بھی وہاں جانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔ اہل خاندان اور دوسرے بہی خواہوں نے ان کو حکومت کے خلاف کسی اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس مشورہ کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ جب کوفہ کی جانب روانہ ہوئے تو سفر کے دوران پے در پے کئی شہادتیں ملیں کہ اب حالات موافق نہیں رہے اور کوفہ پر حکومت کی گرفت مضبوط ہو چکی ہے لیکن وہ برابر اپنے عزم پر قائم رہے۔ بالآخر جب مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر بھی آ گئی تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ مسلم کے بھائیوں نے انتقام کا نعرہ بلند کر دیا اور حضرت کو ان کی رائے کے سامنے جھکنا پڑا۔

کوفہ کے قریب عمر بن سعد کے فوجی دستہ نے آپ کا راستہ روکا۔ عمر کے ساتھ مذاکرات میں آپ نے اپنی تین مشہور شرائط پیش کیں کہ یا تو مجھے مکہ واپس جانے دو یا یزید کے پاس جانے دو یا اجازت دو تو میں سرحدوں کی جانب نکل جاؤں۔ ابن سعد نے یہ پیشکش قبول کر لی اور اس کی اطلاع گورنر کوفہ عبیداللہ ابن زیاد کو دی۔ وہاں سے حکمنامہ آیا کہ حضرت پہلے کوفہ آئیں اور ابن زیاد کے ہاتھ میں ہاتھ دیں۔ اس تجویز کو حضرت حسینؓ نے رد کر دیا تو قافلے کو میدان کربلا میں روک لیا گیا۔

میدان کربلا میں کیا ہوا؟ اس سلسلہ کی روایات کو فاضل مصنف متضاد اور اعجوبہ روایتوں کا ایک جنگل قرار دیتے ہیں جو صرف تحیر کا باعث ہو سکتا ہے۔ یہ بے سند' ناقابل اعتبار' مبالغہ آمیز' زندگی کے حقائق سے

بنی ہوئی اور راویوں کی قوت تخیل کا کرشمہ ہیں۔ یہ کسی معرکہ کارزار کا تاثر نہیں دیتیں بلکہ میلہ عکاظ کا تاثر دیتی ہیں جہاں لوگ اٹھ اٹھ کر اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے ہیں' پھر مبارزت ہوتی ہے' پھر جنگ کا طویل سلسلہ چلتا ہے۔ اس میں راویوں نے ماتمی ماحول پیدا کیا ہے اور شیعی عقائد کے حق میں فضا ہموار کرنے کی کوشش کی ہے۔ میدان کربلا کے واقعات اور اس کے بعد کی سرگزشت کسی شیطانی منصوبے کی تکمیل کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔

فاضل مصنف کے نزدیک ابتدا میں بنو عقیل کے نعرۂ انتقام اور بعد میں ابن زیاد کے کوفہ میں بیعت لینے پر اصرار نے معاملہ خراب کر دیا ورنہ نہ یزید اور نہ اس کے مدنی گورنروں نے حضرت کے ساتھ کوئی سخت معاملہ کیا تھا۔ ابن زیاد ایک سخت گیر منتظم اور بنوامیہ کا احسان مند تھا۔ کوفہ کے حالات اس کے لئے ایک چیلنج بنے ہوئے تھے جن میں اس نے وہ روش اختیار کی جو امت میں ایک عظیم حادثہ کا پیش خیمہ بن گئی۔

فاضل مصنف نے دو انتہاؤں کے درمیان ایک ایسی راہ اعتدال تک پہنچنے کی کوشش کی ہے جس سے نہ کسی صحابیٔ رسول کے کردار پر حرف آئے اور نہ بے جا تعصب سے کام لیا جائے۔ وہ یقیناً اس کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔

کتاب مجلد ہے۔ اس کے صفحات ۳۴۳ اور قیمت ۶۰ روپے ہے۔

دانائے سبل

تصنیف : حکیم محمد سعید

ملنے کا پتہ : ہمدرد سنٹر ناظم آباد ۳ کراچی

حکیم محمد سعید ہمارے ملک کی ایک قد آور اور علم دوست شخصیت ہیں جن کی دلچسپیاں ہمہ جہتی نوعیت کی ہیں۔ انہوں نے مختلف وقتوں میں سیرت نبویؐ کے موضوع پر اجتماعات سیرت میں یا ریڈیو پر جو تقاریر کی تھیں ان کو یکجا کر کے کتاب کی صورت میں شائع کر دیا ہے۔ یہ ۴۸ شذرے ہیں جن میں سیرت کے مختلف پہلوؤں پر دعوتِ فکر دی گئی ہے۔ ان میں گفتگو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریوں اور آپ کے نمونہ سیرت و اخلاق ہونے کے حوالے سے کی گئی ہے۔ حکیم صاحب نے حیاتِ نبوی کا عملی پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ لوگ اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ لیکن بیان محض واقعات کے بیان تک محدود نہیں بلکہ ان کی حکمت بھی واضح کی گئی ہے اور دور حاضر کے مسلمانوں کے حالات کے ساتھ ان کا تقابل بھی کیا گیا

ہے۔اس طرح یہ مختصر خطبات نہایت پر حکمت اور اثر انگیز ہو گئے ہیں۔

صفحہ ۴۳ پر ابو سفیان کی جس گواہی کا ذکر ہے وہ حبشہ میں نہیں بلکہ شاہ روم ہرقل کے سامنے دی گئی تھی۔اسی طرح صفحہ ۱۸۱ پر حضرت نوح کا زمانہ تبلیغ ۲۲ سال بتایا گیا ہے حالانکہ وہ لگ بھگ ایک ہزار برس پر محیط ہے۔

کتاب کے صفحات ۱۴۴ اور قیمت ۷۰ روپے ہے۔

اسلام اور سیرت النبی

مصنف : ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

ملنے کا پتہ : مقبول اکیڈمی شاہراہ قائداعظم لاہور

یہ کتاب فاضل مصنف کے نو مقالات کا مجموعہ ہے جن میں صرف چار مختصر مقالات سیرت کے موضوع سے متعلق ہیں جبکہ باقی مقالات میں اسلام میں بیورو کریسی' اسلام میں احتساب' مطالعہ کائنات کی اہمیت' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی فضیلت اور ہندو مت جیسے متفرق عنوانات زیر بحث آئے ہیں۔اس لحاظ سے کتاب کا نام اس کے مندرجات سے پوری طرح مطابقت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر صاحب پاکستان سول سروس کے آدمی اور اسلامی قانون پر چند کتابوں کے مصنف ہیں۔یہ کتاب ان کی دین پسندی کی آئینہ دار ہے۔اس کے صفحات ۲۴۴ اور قیمت ایک سو روپے ہے۔